احسن الحدیث

حافظ ندیم ظہیر

رسول اللہ ﷺ کو اختیار....

﴿تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِیْۤ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابْتَغَیْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكَ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ تَقَرَّ اَعْیُنُهُنَّ وَلَا یَحْزَنَّ وَیَرْضَیْنَ بِمَاۤ اٰتَیْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَلِیْمًا ۝ لَا یَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَاۤ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ یَمِیْنُكَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ رَّقِیْبًا ۝﴾

آپ ان (بیویوں) میں سے جس کی چاہیں (باری) موقوف کر دیں اور جس کو چاہیں اپنے پاس جگہ دیں اور علیحدہ کرنے کے بعد جسے چاہیں اپنے پاس بلائیں تو آپ پر کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ غمزدہ نہ ہوں اور وہ سب کی سب اس پر راضی رہیں جو آپ انھیں دیں اور جو کچھ تمھارے دلوں میں ہے، اللہ جانتا ہے اور اللہ خوب جاننے والا نہایت بردبار ہے۔ اس کے بعد آپ کے لئے دوسری عورتیں حلال نہیں اور نہ یہ جائز ہے کہ آپ ان (موجودہ بیویوں) کے مقابلے میں کوئی اور بیویاں بدل لیں اگرچہ ان کا حسن آپ کو اچھا لگے البتہ لونڈیوں (کنیزوں) کی آپ کو اجازت ہے اور اللہ ہر چیز پر خوب نگران ہے۔ (الاحزاب:۵۱، ۵۲)

فقه القرآن

☆ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھے ان عورتوں پر بڑی غیرت آتی تھی جو اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے لئے ہبہ کرنے آتی تھیں اور میں کہتی: کیا عورت بھی اپنے آپ کو ہبہ کر سکتی ہے؟ پھر جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِیْۤ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابْتَغَیْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ﴾ تو میں نے کہا: میں دیکھتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی خواہش کے مطابق بلا تاخیر حکم فرما دیتا ہے۔ (صحیح بخاری:۴۷۸۸)

☆ مذکورہ آیت میں رسول اللہ ﷺ کو اختیار دے دیا گیا تھا کہ آپ اپنی بیویوں میں سے جس کی چاہیں باری مقرر فرمائیں یا موقوف کر دیں۔ لیکن صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اختیار ملنے کے باوجود اپنی بیویوں کے درمیان باری اور تقسیم میں مساوات برقرار رکھی تھی۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اس آیت ﴿تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ ......إلخ﴾ کے نازل ہونے کے بعد بھی اگر آپ کسی بیوی کی باری میں کسی دوسری بیوی کے پاس جانا چاہتے (تو جس کی باری ہوتی) اس سے اجازت لیا کرتے تھے۔ (راویہ معاذہ کہتی ہیں) میں نے ان (عائشہ رضی اللہ عنہا) سے کہا: تو آپ (ایسی صورت میں نبی ﷺ سے) کیا کہتی تھیں؟ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! اگر مجھے یہ اختیار دیا جائے تو میں (آپ کی محبت کی وجہ سے) کسی اور کو آپ پر ترجیح نہیں دے سکتی۔ (صحیح بخاری:۴۷۸۹)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی بیماری زیادہ اور تکلیف شدید ہوگئی تو آپ نے اپنی بیویوں سے میرے گھر میں بیماری کے ایام گزارنے کی اجازت چاہی تو انھوں نے اجازت دے دی...الخ (صحیح بخاری:۲۵۸۸)

☆ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی اکرم ﷺ کو اختیار دیئے جانے سے ازواجِ مطہرات کی دلجوئی، باہمی جذبۂ رقابت و مسابقت کا خاتمہ اور قلوب و اذہان میں وسعت پیدا کرنا بھی مقصود تھا تا کہ نبی ﷺ کی طرف سے جو جس صورت میں مل جائے اس پر کبیدۂ خاطر ہونے کے بجائے اسی پر قناعت کریں اور یہ جان لیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی طرف سے ایسا نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا اختیار دیا ہے۔

☆ ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَافِيْ قُلُوْبِكُمْ﴾ یعنی بیویوں میں سے بعض کی طرف آپ کے دلی میلان کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے۔ چونکہ دل پر انسان کا اختیار نہیں ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ اس پر

گرفت بھی نہیں فرمائے گا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کے درمیان (نان ونفقہ) عدل وانصاف سے تقسیم کرتے اور فرماتے: یا اللہ! یہ میری تقسیم ہے جو میرے اختیار میں ہے لیکن جس چیز پر تیرا اختیار ہے، میں اس پر اختیار نہیں رکھتا، اس میں مجھے ملامت نہ کرنا۔ (سنن ابی داود: ۲۱۳۴ وسندہ صحیح)

☆ ﴿لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ﴾ کی تفسیر میں دو قول ہیں:

① اللہ تعالیٰ نے جن عورتوں کی تفصیل آیت: ۵۰ کے تحت بتلائی ہے ان کے سوا دوسری عورتوں سے نکاح حلال نہیں ہے۔

② نزولِ آیت کے وقت جو بیویاں موجود تھیں ان کے علاوہ کسی اور عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ اول الذکر قول کی تائید بعض روایات سے ہوتی ہے مثلاً دیکھئے سنن الترمذی (۳۲۱۵، ۳۲۱۶) بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب ازواجِ مطہرات نے عیش وعشرت اور آسائشِ دنیا کے بجائے آخرت کو ترجیح دی تو اللہ تعالیٰ کو ان کا ایثار بہت پسند آیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا کہ اب کسی اور کو شرفِ زوجیت نہ بخشا جائے، لہٰذا اس کے بعد آپ نے کسی آزاد عورت سے نکاح نہیں کیا، البتہ کنیزوں کے متعلق رخصت بدستور باقی رکھی گئی۔ (تفسیر ابن کثیر ۵/۲۰۰)

توجیہ: امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ﴿لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ﴾ کی تفسیر وتاویل میں مفسرین نے اختلاف کیا ہے۔ (تفسیر طبری ۲۲/۲۱)

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اس سلسلے میں دونوں طرح کے کثیر اقوال ہیں لہٰذا روایات وآثار کی نبیاد پر اگر کسی قول کو ترجیح دی جائے تو وہ اول الذکر قول ہی معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

☆ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: ﴿وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ﴾ سے مراد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مزید نکاح کرنے سے روک دیا گیا یا موجودہ بیویوں میں سے کسی کو طلاق دے کر اس کی جگہ کسی اور سے نکاح کی ممانعت ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ۵/۲۰۲)

کلمۃ الحدیث ابنِ نور محمد

تلاشِ گمشدہ

مجھے اپنے اس جگر گوشے، لعل اور زندگی کے سہارے کی تلاش ہے، جو میرے آنگن کا تارا تھا.... مجھے دیکھ کر جس کا پھول جیسا چہرہ کِھل اٹھتا.... مجھ سے چند دن کی جدائی کسی سانحہ سے کم نہ سمجھتا.... میرے بغیر اس کا کھانا حلق سے نیچے نہ اترتا.... اگر میں گھر میں نہ ہوتی تو گھر کو ویران چمن تصور کرتا.... جو میری تکلیف کو اپنا درد اور میرے الم کو اپنا غم جانتا.... میری خدمت کو عبادت گردانتا.... جو لفظ ''ماں'' میں اپنائیت، انسیت، چاہت اور محبت محسوس کرتا.... میری آغوش سے اس کی مضطرب روح کو تسکین اور بے قرار دل کو تمکین میسر آتی، اور اگر کبھی چھوٹو، مجھ سے سخت لہجے میں ہم کلام ہوتا تو فوراً پکار اٹھتا کہ چھوٹو! تمھیں نہیں پتا یہ ماں ہے، بڑی مشکل سے آنسوؤں کو ضبط کر کے کہتا: ہاں! یہ ماں ہے.... ماں جس کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْ هُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا﴾ اور تیرے رب نے یہ فیصلہ کر دیا کہ اس کے سوا تم کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کرو، اگر تیرے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں ہی بڑھاپے کو پہنچیں تو ان سے اُف تک بھی نہ کہہ اور نہ تو انھیں جھڑک اور ان دونوں کے لئے نرم (لہجے میں) بات کر۔ (بنی اسرائیل:۲۳)

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: ﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ؕ﴾

اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید کی ہے۔ (العنکبوت:۸)

نیز فرمایا: ﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ...﴾

اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید کی، اس کی ماں نے

کمزوری پر کمزوری کے باوجود اسے اٹھائے رکھا۔ (لقمان:۱۴)

جس طرح قرآنِ مجید میں والدین کے ساتھ ''حسنِ سلوک'' کی تاکید فرمائی گئی ہے، اسی طرح احادیثِ نبوی ﷺ میں بھی والدین کی خدمت ومحبت کو افضل عمل قرار دیا گیا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا: نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا، میں نے پوچھا: پھر کون سا؟ آپ نے فرمایا: والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا، میں نے پوچھا: پھر کون سا عمل؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنا۔ (صحیح بخاری:۵۲۷، صحیح مسلم:۸۵[۲۵۲])

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا (اور) عرض کیا: اے اللہ کے رسول! لوگوں میں میرے حسنِ سلوک کا زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ نے فرمایا: تمھاری ماں، اس نے پوچھا: پھر کون؟ آپ نے فرمایا: تمھاری ماں، اس نے پوچھا: پھر کون؟ آپ نے فرمایا: تمھاری ماں، اس نے پوچھا: پھر کون؟ آپ نے فرمایا: تمھارا باپ۔ (صحیح بخاری:۵۹۷۱، صحیح مسلم:۲۵۴۸[۶۵۰۰])

مجھے اپنے اس معصوم بیٹے کی تلاش ہے جو ایک دن ''درسِ حدیث'' سن کر آیا تو گھنٹوں روتا رہا... میں بار بار پوچھتی لیکن... وہ تھا کہ روتا ہی جا رہا تھا، بالآخر کچھ نارمل ہونے کے بعد کہنے لگا: ماں آج ہمارے معلم صاحب نے دو احادیث سنائی ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ناک خاک آلود ہو، پھر ناک خاک آلود ہو، پھر ناک خاک آلود ہو کہ جس شخص نے اپنے والدین کو بڑھاپے میں پایا، ان میں سے ایک کو یا دونوں کو اور پھر وہ (ان کی خدمت کر کے) جنت میں نہیں گیا۔ (صحیح مسلم:۲۵۵۱[۶۵۱۰])

معلم صاحب نے یہ بھی کہا کہ جس طرح شرک کبیرہ گناہ ہے، اسی طرح ماں باپ کی نافرمانی بھی بہت بڑا گناہ ہے۔ جیسا کہ حدیثِ نبوی ہے۔ (بخاری:۲۶۵۴، مسلم:۸۷)

ماں! یہی بات مجھے رُلا رہی ہے کہ والدِ محترم تو پہلے ہی وفات پا چکے ہیں۔ اب آپ ہی ہیں لیکن آپ کی خدمت بھی مجھ سے نہیں ہو پا رہی۔

جی ہاں! اس بیٹے کی جو اللہ کے حضور ہاتھ پھیلا کر، آنکھوں سے آنسو بہا کر، عرض کرتا:

﴿رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا﴾

اے رب! ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ بچپن میں انھوں نے میری پرورش کی۔ (بنی اسرائیل:۲۴)

﴿رَبَّنَا اغْفِرْلِيْ وَلِوَالِدَيَّ....﴾

اے ہمارے رب! تو مجھے اور میرے ماں باپ کو بخش دے۔ (ابراہیم:۴۱)

میرا یہ لال حوادثاتِ زمانہ کا شکار ہو گیا، دنیا کی رنگینیوں میں کھو گیا، اور میں آج تک اسے ڈھونڈتی پھر رہی ہوں، کیا وہ نہیں جانتا تھا کہ میں.... میں اپنے لاڈلے، پیارے اور لختِ جگر سے کس قدر محبت کرتی ہوں؟ یہ سب کو معلوم ہے کہ اگر اس کائنات میں سب سے زیادہ اور سچی محبت کرنے والی ہستی ہے تو وہ ماں ہے... ماں کو اپنی اولاد بڑی محبوب ہوتی ہے۔!

☆☆☆

ہر ماں کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا بیٹا پڑھے، لکھے، بڑا آدمی بنے، معاشرے میں اس کی عزت ہو.... یہی ارمان لئے میں نے اپنے بیٹے کی بہترین پرورش کرنی شروع کی... لیکن ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ اس کے والد ماجد وفات پا گئے۔ وقت گزرتا رہا... اور مجھے اپنے راج دُلارے کے مستقبل (Future) کی فکر دامن گیر ہوئی...... کہیں ایسا نہ ہو کہ باپ کی شفقت سے محروم... کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے پر مجبور ہو جائے...... یہ سوچتے ہی میں لرز جاتی، رونگٹے کھڑے ہو جاتے... لہٰذا میں نے ہمت کر کے محنت مزدوری شروع کی، راتوں کی نیند، دن کا سکون اپنے چاند سے بیٹے کے مستقبل کے لئے قربان کر دیا۔

زمانے کی خاک چھانی، اپنے کمزور و ناتواں کندھوں پر اپنی بساط سے زیادہ بوجھ اٹھاتی، ہر طرح سے مشقت برداشت کر کے حلال روزی کماتی... صرف کس کے لئے... اپنے لختِ جگر کے لئے ...وگرنہ میرے لئے تو دو روٹیاں ہی کافی تھیں! بہر حال وقت گزرا... اور میرا پہلا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا کہ میرا بیٹا اپنے پاؤں پہ کھڑا ہو گیا یعنی اسے نوکری مل گئی... اب میں بے چینی سے اپنے دوسرے خواب کی تعبیر کے انتظار میں تھی... اور وہ تھا بیٹے کی شادی... میں نے اس سلسلے میں

بہت کچھ سوچ رکھا تھا...آخر وہ دن بھی آن پہنچا...اور میں بڑے شاندار طریقے سے اپنی بہو اور بیٹے کی دلہن کو بیاہ کر لے آئی...لوگ مبارکبادیں دے رہے تھے کہ تم نے شروع سے لے کر... آج تک بیٹے کو یتیمی کا احساس نہیں ہونے دیا...اور تم بہت خوش نصیب ہو وغیرہ وغیرہ...اور میں تھی کہ اندر ہی اندر خوشیوں کے سمندر میں غوطہ زن تھی۔لیکن یہ کیا؟...تھوڑے ہی دنوں کے بعد .... یہ اعلان سنائی دیا کہ ہم گاؤں میں نہیں رہ سکتے لہٰذا جہاں میں جاب (ملازمت) کرتا ہوں وہیں اپنی فیملی کے ساتھ رہوں گا۔(جدید دور میں، فیملی میں ''ماں'' شامل نہیں)

یہ سننا تھا...میرے خوابوں کی لڑی بکھر گئی، میری سوچیں منتشر ہونے لگیں اور میں ٹوٹ کر رہ گئی وہ دن.......اور آج... بیٹے کی شکل دیکھنے کو ترس رہی ہوں... پریشانیوں نے گھیرا تنگ کر دیا ہے کہ جن سے میں ایک لمبا عرصہ لڑتی رہی ہوں...اب لڑوں بھی تو کس مقصد کے تحت؟...یہی وجہ ہے کہ عمر سے پہلے بوڑھی ہوگئی ہوں..کئی بیماریوں میں مبتلا ہوں...کبھی کبھی بہت زیادہ بیمار ہو جاؤں تو محلے والے، عزیز و اقارب اور میرا لختِ جگر اپنی بیگم کے ہمراہ عیادت کے لئے آجاتے ہیں، گھنٹہ، ڈیڑھ گھنٹہ مہمانوں کی طرح بیٹھ کر چلے جاتے ہیں اور مجھے تخیلات کی دنیا میں چھوڑ جاتے ہیں! کہ گوشت پوست اور نام کے لحاظ سے تو میرا وہی بیٹا ہے لیکن سوچ اور فکر میں کتنا بدل چکا ہے۔ جو میری آہٹ پہ میری طرف لپک آتا...آج کمزوری کی وجہ سے بار بار میرے گرنے پر بھی متوجہ نہیں ہوتا، جو گھنٹوں مجھ سے باتیں کرتا...آج میرے کان اس کی بات سننے کے لئے تڑپ رہے ہیں۔ ماں اور بیٹے کی محبت میں یہی بڑا فرق ہے کہ جب اسے میری ضرورت تھی تو میں نے تن من کی بازی لگا دی..... آج مجھے ضرورت ہے اپنے لختِ جگر کی لیکن ...میں دوسروں کے سہارے جی رہی ہوں۔

جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

میرے پیارے بیٹے !اگر'' تلاشِ گمشدہ'' کا یہ اشتہار پڑھو تو فوراً گھر آجانا، تمھاری بوڑھی ماں تمھارے بغیر ایک ایک دن تڑپ کر گزار رہی ہے۔اللہ تمھارا حامی و ناصر ہو۔

والسلام تمھاری 'ماں'

حافظ زبیر علی زئی

اضواء المصابیح

اللہ نے سب سے پہلے قلم پیدا کیا

[٩٣] وعنه ، قال :سئل رسول الله ﷺ عن ذراري المشركين ، قال : ((الله أعلم بما كانوا عاملين)) متفق عليه .

انھی (سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مشرکین کے (نابالغ) بچوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: جو اعمال وہ کرنے والے تھے انھیں اللہ جانتا ہے۔ متفق علیہ (البخاری:١٣٨٤، ومسلم:٢٦٥٩/٢٦)

فقہ الحدیث:

① مشرکین کے بچے جنت میں جائیں گے یا جہنم میں؟ یہ تقدیر کا مسئلہ ہے، اسے صرف اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ دنیا میں کیا اعمال کرنے والے تھے۔

② مشرکین کے بچوں کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

③ مشرکین کے بچوں کے بارے میں سکوت کرنا بہتر ہے۔

④ نیز دیکھئے اضواء المصابیح:٨٤، ماہنامہ الحدیث حضرو:٣٣ص٦

الفصل الثانی

[٩٤] وعن عبادة بن الصامت رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ : ((إن أول ماخلق الله القلم، فقال له:اكتب:فقال :ماأكتب ؟ قال:اكتب القدر .فكتب ماكان وماهو كائن إلى الأبد.))

رواه الترمذي وقال :هذا حديث غريب إسناداً .

(سیدنا) عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا: بے شک اللہ نے سب سے پہلے قلم پیدا کیا پھر اسے کہا: لکھ۔ تو اس (قلم) نے کہا: میں کیا لکھوں؟ اللہ نے فرمایا: تقدیر لکھ، پس قلم نے جو ہوا ہے اور جو آئندہ ہوگا، لکھ لیا۔ اسے ترمذی (۲۱۵۵) نے روایت کیا اور کہا: یہ حدیث سند کے لحاظ سے (حسن) غریب ہے۔

تحقیق الحدیث:

سنن ترمذی والی یہ روایت عبدالواحد بن سُلیم المالکی البصری کی وجہ سے ضعیف ہے۔ عبدالواحد مذکور کے بارے میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: **ضعیف** (تقریب التہذیب: ۴۲۴۱)

لیکن اس روایت کے متن میں عبدالواحد منفرد نہیں ہے بلکہ اس کے شواہد مسند احمد (۵/۳۱۷ ح ۲۲۷۰۵) کتاب السنۃ لابن ابی عاصم (۱۰۲-۱۰۴، ۱۰۶-۱۰۸) روضۃ العقلاء لابن حبان (ص ۱۵۷) سنن ابی داود (۴۷۰۰) اور مسند ابی یعلیٰ (۲۳۲۹) وغیرہ میں موجود ہیں۔ ان شواہد میں بہترین وہ روایت ہے جسے ابو یعلیٰ الموصلی نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِن أول شيً خلقه الله القلم و أمره فكتب كل شيً .))

بے شک اللہ نے جو پہلی چیز پیدا کی وہ قلم ہے اور اسے حکم دیا تو اس نے ہر چیز کو لکھ لیا۔

(مسند ابی یعلیٰ ج ۴ ص ۲۱۷ ح ۲۳۲۹ وسندہ صحیح)

ان شواہد کے ساتھ ترمذی کی مذکورہ بالا روایت بھی حسن یا صحیح ہے۔ والحمدللہ

فقہ الحدیث:

۱: اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات میں سب سے پہلے قلم پیدا کیا۔

۲: جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یا آپ کے نور کو پیدا کیا، ان لوگوں کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ ان کا یہ عقیدہ اس صحیح حدیث کے خلاف ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" وهو من الأدلة الظاهرة على بطلان الحديث المشهور ((أول ما خلق الله

نور نبيك يا جابر!)) وقد جهدت في أن أقف على سنده فلم يتيسر لي ذلك.''

یہ حدیث ان واضح دلیلوں میں سے ہے جس سے (جہلاء کے درمیان) مشہور حدیث: ''اے جابر! سب سے پہلے اللہ نے تیرے نبی کا نور پیدا کیا۔'' کے باطل ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ میں نے اس (باطل) روایت کی سند تلاش کرنے کی بہت کوشش کی ہے لیکن مجھے اس کی کوئی سند نہیں ملی۔ (التعلیق علی المشکوٰۃ ج ۱ ص ۳۴ تحت ح ۹۴)

اس بے اصل اور من گھڑت روایت کا وجود شیعوں کی من گھڑت کتاب اصول کافی (ج ۱ ص ۴۴۲ طبع دار الکتب الاسلامیہ تہران، ایران) میں موضوع سند کے ساتھ ملتا ہے۔

[**۹۵**] وعن مسلم بن يسار قال :سئل عمر بن الخطاب [رضي الله عنه] عن هذه الآية :﴿ وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيٓ ءَادَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ ﴾ الآية ، قال عمر :سمعت رسول الله ﷺ يسأل عنها فقال :((إن الله خلق آدم ثم مسح ظهره بيمينه فاستخرج منه ذرية فقال :خلقت هؤلاء للجنة ، وبعمل أهل الجنة يعملون ثم مسح ظهره فاستخرج منه ذرية فقال :خلقت هؤلاء للنار وبعمل أهل النار يعملون .)) فقال رجل :ففيم العمل ؟ يا رسول الله !فقال رسول الله ﷺ :((إن الله إذا خلق العبد للجنة استعمله بعمل أهل الجنة حتى يموت على عمل من أعمال أهل الجنة فيدخله به الجنة وإذا خلق العبد للنار استعمله بعمل أهل النار حتى يموت على عمل من أعمال أهل النار فيدخله به النار .)) رواه مالك والترمذي وأبو داود .

مسلم بن یسار سے روایت ہے کہ (سیدنا) عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) سے اس آیت ''اور جب تیرے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا'' آیت کے

آخر تک (الاعراف:۱۷۲) کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس آیت کے جواب میں فرماتے ہوئے سنا: یقیناً اللہ نے جب آدم کو پیدا کیا تو ان کی پشت پر اپنا دایاں ہاتھ پھیرا تو اس سے ان کی اولاد نکالی اور فرمایا: میں نے انھیں جنت کے لئے پیدا کیا ہے اور یہ جنتیوں کے کام کریں گے۔ پھر ان کی پشت پر (ہاتھ) پھیرا تو اس میں سے ان کی اولاد نکالی اور فرمایا: میں نے انھیں جہنم کے لئے پیدا کیا ہے اور یہ جہنمیوں کے کام کریں گے۔ ایک آدمی نے پوچھا: یا رسول اللہ ! پھر اعمال کی کیا ضرورت ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے جب بندے کو جنت کے لئے پیدا کیا تو اسے اس کی موت تک جنتیوں کے اعمال کی توفیق دی جو اسے جنت میں داخل کر دیں گے اور جب اس نے کسی بندے کو جہنم کے لئے پیدا کیا تو اسے اس کی موت تک جہنمیوں کے اعمال پر چلایا جو اسے جہنم میں داخل کر دیں گے۔

اسے مالک (الموطأ ۱/۸۹۸ ح ۱۷۲۶) ترمذی (۳۰۷۵ وقال: حسن ومسلم لم یسمع من عمر) اور ابوداود (۴۷۰۳) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے کیونکہ مسلم بن یسار نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کچھ نہیں سنا۔ اس روایت کی دوسری سند میں نعیم بن ربیعہ مجہول الحال راوی ہے جسے صرف ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے۔ دیکھئے میری کتاب انوار الصحیفۃ فی الاحادیث الضعیفۃ (د:۴۷۰۳)

حافظ زبیر علی زئی

توضيح الاحكام

مجھے دنیا کی تین چیزیں پسند ہیں والی حدیث کی تحقیق

سوال: میرے علم کے مطابق ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک دفعہ ایک مجلس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:((حبّب إليّ من دنيا كم ثلاث :الطيب والنساء وجعلت قرة عيني فی الصلوٰة)) مجھے تمھاری دنیا میں سے تین چیزیں پسند ہیں:(۱) خوشبو (۲) بیویاں (۳) اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔ آپ کے ساتھ صحابۂ کرام بھی بیٹھے ہوئے تھے تو ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یا رسول اللہ! آپ نے سچ فرمایا اور مجھے دنیا میں سے تین چیزیں پسند ہیں: (۱) رسول اللہ (ﷺ) کے چہرے کو دیکھنا (۲) رسول اللہ کے لئے اپنا مال خرچ کرنا (۳) اور یہ چاہنا کہ میری بیٹی، رسول اللہ (ﷺ) کی بیوی بنے۔

پھر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابوبکر! آپ نے سچ فرمایا اور مجھے دنیا میں سے تین چیزیں پسند ہیں:(۱) نیکی کا حکم دینا (۲) بُرائی سے منع کرنا (۳) اور پرانا (استعمال شدہ بوسیدہ) کپڑا۔

پھر عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے عمر! آپ نے سچ فرمایا اور مجھے دنیا میں سے تین چیزیں پسند ہیں: (۱) بھوکوں کو پیٹ بھر کر کھلانا (۲) ننگوں کو کپڑے پہنانا (۳) اور تلاوتِ قرآن۔ پھر علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے عثمان! آپ نے سچ فرمایا اور مجھے دنیا میں سے تین چیزیں پسند ہیں: (۱) مہمان کی خدمت کرنا (۲) گرمی میں روزے رکھنا (۳) اور (میدانِ جہاد میں) تلوار چلانا۔

نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ اسی حال میں تھے کہ جبریل (علیہ السلام) تشریف لائے اور فرمایا: جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمھاری گفتگو سنی تو مجھے بھیجا اور آپ کو حکم دیا کہ مجھ سے پوچھیں کہ اگر میں دنیا والوں میں سے ہوتا تو میں کیا پسند کرتا؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا: تم دنیا میں سے کیا پسند کرتے؟ جبریل (علیہ السلام) نے فرمایا: (۱) راستہ بھولے ہوئے لوگوں کو راستہ دکھانا (۲) غریب عبادت گزاروں کی دل جوئی (۳) اور مفلس عیال داروں کی مدد۔

جبریل (علیہ السلام) نے فرمایا: رب العزت اللہ جلّ جلالہ اپنے بندوں سے تین خصلتیں پسند کرتا ہے: (۱) حسبِ استطاعت (اللہ کے راستے میں مال وجان) خرچ کرنا (۲) ندامت کے وقت رونا (۳) اور فاقے کے وقت صبر کرنا۔ (بحوالہ منبہات لابن حجر)

گزارش ہے کہ اس حدیث کی مکمل تحقیق وتخریج عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں، نیز رسالہ (الحدیث) میں بھی شائع فرمادیں۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ (قاری عظیم حاصلپوری، گوجرانوالہ)

الجواب: میرے علم کے مطابق یہ روایت حدیث کی کسی کتاب میں باسند و باحوالہ موجود نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر (العسقلانی؟) کی طرف منسوب کتاب ''المنبہات'' میں یہ روایت بےحوالہ اور بےسند مذکور ہے۔ (ص ۲۱، ۲۲ طبع ۱۳۸۲ھ)

۱: ''المنبہات'' کا حافظ ابن حجر العسقلانی کی کتاب ہونا ثابت نہیں ہے۔ جن لوگوں نے حافظ ابن حجر کے حالات لکھے ہیں اور ان کی کتابوں کے نام لکھے ہیں مثلاً سخاوی (الضوء اللامع) شوکانی (البدر الطالع) اسماعیل پاشا بغدادی (ہدیۃ العارفین) اور زرکلی (الاعلام) وغیرہ، ان میں سے کسی نے بھی اس کتاب کو حافظ ابن حجر کی طرف منسوب نہیں کیا۔

۲: مشہور عربی محقق شیخ ابوعبیدہ مشہور بن حسن آل سلمان نے اسے حافظ ابن حجر العسقلانی کی طرف ظلم، جھوٹ اور بہتان کے ساتھ منسوب کتاب قرار دیا ہے۔ دیکھئے کتب حذّر منہا العلماء (ج ۲ ص ۳۲۶)

۳: شیخ جاسم الدوسری اور شیخ عبدالرحمٰن فاخوری نے بھی حافظ ابن حجر کی طرف اس کتاب کے انتساب کو باطل قرار دیا ہے۔ (ایضاً ص ۳۲۷)

۴: المنبہات کے شروع میں اس کا نام ''منبھات... علی الإستعداد لیوم المعاد'' لکھا ہوا ہے۔ (ص ۴) اور یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ اس میں دو دو اور تین تین سے لے کر دس دس تک کا بیان لکھا ہوا ہے۔ (ایضاً ص ۴)

حاجی خلیفہ کاتب چلپی حنفی نے اپنی مشہور کتاب ''کشف الظنون'' میں لکھا ہے کہ ''**المنبھات علی الإستعداد لیوم المیعاد للنصح والوداد، مختصر**

لزين القضاة أحمد بن محمد الحجي (الحجري) المتوفى سنة ... جمع فيه أحاديث ونصائح من الواحد إلى العشرة مثنٰى وثلاث ورباع ، أوله الحمد لله رب العالمين إلخ قال :هٰذه منبهات على الإستعداد ليوم الميعاد''

(کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون ج ۲ ص ۱۸۴۸)

اس طویل بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ کتاب احمد بن محمد الحجی یا الحجری کی لکھی ہوئی ہے، یہ حجی یا حجری مجہول ہے،اس کے حالات کسی کتاب میں نہیں ملے۔

۵: حافظ ابن حجر العسقلانی نے ایک صوفی ابراہیم بن محمد بن المؤید بن حمویہ الجوینی (متوفی ۷۲۲ھ) کے حالات میں لکھا ہے کہ حافظ ذہبی نے فرمایا: ''كان حاطب ليل ،جمع أحاديث ثنائيات وثلاثيات ورباعيات من الأ باطيل المكذوبة'' وہ حاطب لیل (رات کو لکڑیاں اکٹھی کرنے والا) تھا۔اس نے دو دو، تین تین اور چار چار والی حدیثیں جمع کی ہیں جو باطل اور جھوٹی ہیں۔ (الدرر الکامنہ فی اعیان المائۃ الثامنہ ۱/ ۶۸ ت ۱۸۱)

معلوم یہی ہوتا ہے کہ ابن حمویہ الجوینی الصوفی (متوفی ۷۲۲ھ) کی کتاب سے اختصار کر کے ابن حجی یا ابن حجری نامی کسی مجہول شخص نے منبہات نامی کتاب لکھ دی ہے جو ناشرین یا ناسخین کی غلطیوں کی وجہ سے حافظ ابن حجر کی طرف منسوب ہوگئی ہے۔

حافظ ابن حجر نے ''ثلاث'' کی زیادت والی روایت کے بے سند ہونے کی صراحت کی ہے۔ دیکھئے التلخیص الحبیر (۳/ ۱۱۶ ح ۱۴۳۵) لہٰذا وہ اس روایت اور مذکورہ کتاب سے بری ہیں۔

اگر کوئی شخص دلائل سے یہ ثابت کر دے کہ یہ کتاب ضرور حافظ ابن حجر العسقلانی ہی کی لکھی ہوئی ہے تو بھی یہ روایت باطل اور موضوع ہے کیونکہ اس کی کوئی سند یا حوالہ معلوم نہیں ہے۔ ہر وہ روایت جو بے سند و بے حوالہ ہو تو وہ موضوع ، باطل اور مردود ہی رہتی ہے اِلا یہ کہ صحیح سند یا صحیح حوالہ پیش کر دیا جائے۔

اسماعیل بن محمد العجلونی الجراحی (متوفی ۱۱۶۲ھ) نے اسے کتاب ''المواهب'' سے نقل کر کے لکھا ہے: ''قال الطبري :خرجه الجندي والعهدة عليه''

طبری نے کہا: اسے الجندی نے روایت کیا ہے اور اس روایت کی ذمہ داری اُسی پر ہے۔

(کشف الخفاء ومزیل الالباس عما اشتہر من الاحادیث علیٰ اَلسنۃ الناس ج ا ص ۳۴۰ ح ۱۰۸۹)

عجلونی کی بیان کردہ یہ روایت احمد بن محمد القسطلانی (متوفی ۹۲۳ھ) کی کتاب المواہب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ میں اسی طرح بے سند و بے حوالہ ''الجندی'' سے بطورِ لطیفہ مذکور ہے۔

(ج ۲ ص ۱۸۰، ۱۸۱)

الجندی نام کے کئی آدمی تھے مثلاً مفضل بن محمد بن ابراہیم الجندی (متوفی ۳۱۰ھ)

اللہ ہی جانتا ہے کہ اس الجندی سے مراد کون ہے؟ اور اگر کوئی الجندی متعین بھی ہو جائے تو اس سے لے کر رسول اللہ ﷺ تک سند معلوم نہیں ہے۔

شبراملسی (متوفی ۱۰۸۷ھ) اور خفاجی وغیرہما مولویوں نے اس روایت میں مزید بے سند اور بے حوالہ اضافہ بھی ذکر کر رکھا ہے جو کہ سرے سے موضوع اور باطل ہے۔

تنبیہ بلیغ: حاجی خلیفہ حنفی نے بغیر کسی سند اور بغیر حوالے کے جلال الدین سیوطی سے نقل کر رکھا ہے کہ قسطلانی میری کتابوں سے چوری کرتا ہے۔ الخ (کشف الظنون ۲/ ۱۸۹۷)

ظاہر ہے کہ یہ بے سند و بے حوالہ بات مردود و باطل ہے لیکن بے سند و بے حوالہ روایتیں پھیلانے والے اس حکایت کی وجہ سے المواہب کے مصنف قسطلانی کو چور نہیں سمجھتے!

خلاصۃ التحقیق: یہ روایت بے اصل، جھوٹی اور من گھڑت ہے جسے منظّم یا غیر منظّم منصوبے سے جاہل اور عام مسلمانوں میں پھیلا دیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولنا بالکل حرام ہے۔ ارشادِ نبوی ہے:

((مَنْ يَّقُلْ عَلَيَّ مَالَمْ أَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ .)) جس شخص نے مجھ پر ایسی بات کہی جو میں نے نہیں کہی تو وہ اپنا ٹھکانا (جہنم کی) آگ میں بنا لے۔ (صحیح بخاری: ۱۰۹)

اس ارشادِ نبوی کے باوجود بہت سے لوگ دن رات اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ جھوٹی روایات بنائیں یا پہلے سے موجود جھوٹی اور ضعیف روایات مسلمانوں میں پھیلا دیں۔ کیا ہمارے لئے صحیح احادیث و روایات کافی نہیں ہیں؟

تنبیہ: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((**حبّب إليّ من الدنيا :النساء والطيب وجعل قرة عيني في الصلوٰة .**)) مجھے دنیا میں سے عورتیں (بیویاں) اور خوشبو پسند ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔
(سنن النسائی ۶۱/۷ ح ۳۳۹۱ وسندہ حسن، مسند احمد ۲۸۵/۳ وسندہ حسن وحسنہ الحافظ ابن حجر فی التلخیص الحبیر ۱۱۶/۳ ح ۱۴۳۵ واوردہ الضیاء فی المختارۃ ۱۱۶/۵ ح ۱۷۳۶)

دوسری روایت میں ہے: ((**حبب إلي النساء والطيب وجعلت قرة عيني في الصلوٰة .**)) مجھے عورتیں (بیویاں) اور خوشبو پسند ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔ (سنن النسائی ۶۲/۷ ح ۳۳۹۲ وسندہ حسن وصححہ الحاکم علیٰ شرط مسلم ۱۶۰/۲، ووافقہ الذہبی)

اس صحیح حدیث کا منبہات والی موضوع روایت سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ نماز دنیا کی کوئی چیز ہے۔　[۱۱ جنوری ۲۰۰۷ء]

لولاك ما خلقت الأفلاك

سوال: کیا یہ بات صحیح ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا نہ کیا جاتا تو اللہ تعالیٰ کائنات کو پیدا نہ کرتا۔ وضاحت فرمائیں۔ [محمد ندیم سلفی، سرکلر روڈ راولپنڈی]

الجواب: بعض الناس یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''**لولاك لما خلقت الأفلاك**'' (اے نبی!) اگر آپ نہ ہوتے تو میں آسمان (وزمین) پیدا نہ کرتا۔

اس جملے کا کوئی ثبوت حدیث کی کسی کتاب میں باسند موجود نہیں ہے۔ اس بے سند جملے کو شیخ حسن بن محمد الصغانی (متوفی ۶۵۰ھ) نے ''موضوع'' یعنی من گھڑت قرار دیا۔ دیکھئے موضوعات الصغانی (۷۸) وتذکرۃ الموضوعات (ص ۸۶) لمحمد طاہر الفتنی الہندی (متوفی ۹۸۶ھ) الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ للشوکانی (ص ۳۲۶) الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ لملاعلی القاری الحنفی (۳۸۵) کشف الخفاء للعجلونی (۲۱۲۳) اور الآثار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ لعبد الحئ اللکنوی (ص ۴۰)

تنبیہ: عجلونی اور ملاعلی قاری نے حسن الصغانی سے اس جملے کا ''موضوع'' ہونا نقل

کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ''معناه صحيح'' یعنی اس (موضوع روایت کا) معنی صحیح ہے۔!

عرض ہے کہ جب یہ روایت باطل، من گھڑت اور اللہ و رسول پر افتراء ہے تو کس دلیل سے اس کے معنی کو صحیح کہا گیا ہے؟

ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ دیلمی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ ''أتاني جبريل فقال: يا محمد !لولاك ما خلقت الجنة ولولاك ما خلقت النار''

میرے پاس جبریل آئے تو کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ نہ ہوتے تو میں جنت پیدا نہ کرتا اور اگر آپ نہ ہوتے تو میں (جہنم کی) آگ پیدا نہ کرتا۔ (الاسرار المرفوعۃ ص ۲۸۸)

یہ روایت کنز العمال (۱۱/۴۳۱ ح ۳۲۰۲۵) اور کشف الخفاء (۱/۴۵ ح ۹۱) میں بحوالہ دیلمی عن ابن عباس (ابن عمر) منقول ہے۔ دیلمی (متوفی ۵۰۹ھ) کی کتاب فردوس الاخبار میں یہ روایت بلا سند و بلا حوالہ مذکور ہے۔ (۵/۳۳۸ ح ۸۰۹۵)

معلوم ہوا کہ یہ روایت بھی بے سند و بے حوالہ ہونے کی وجہ سے موضوع و مردود ہے۔

محدث احمد بن محمد بن ہارون بن یزید الخلال (متوفی ۳۱۱ھ) نے بغیر کسی سند و حوالے کے نقل کیا ہے کہ ''يا محمد!لولاك ما خلقت آدم''

اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ نہ ہوتے تو میں آدم (علیہ السلام) کو پیدا نہ کرتا۔ (السنۃ ص ۲۳۷ ح ۲۷۳)

یہ روایت بھی بے سند ہونے کی وجہ سے موضوع و مردود ہے۔

ملا علی قاری نے ابن عساکر سے نقل کیا ہے کہ ''لو لاك ما خلقت الدنيا''

اگر آپ نہ ہوتے تو دنیا پیدا نہ کی جاتی یا میں دنیا پیدا نہ کرتا۔ (الاسرار المرفوعۃ ص ۲۸۸)

ابن عساکر والی روایت تاریخ دمشق (۳/۲۹۶، ۲۹۷) کتاب الموضوعات لابن الجوزی (۱/۲۸۸، ۲۸۹) اور اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ للسیوطی (۱/۲۷۲) میں موجود ہے۔ ابن جوزی نے کہا: ''هذا حديث موضوع لا شك فيه ، وفي إسناده مجهولان وضعفاء فمن الضعفاء أبو السُّكين و إبراهيم بن اليسع ، قال الدارقطني :أبو السكين ضعيف، وإبراهيم ويحيى البصري متروكان ، قال

أحمد بن الحنبل :خرقت أحاديث يحيى البصري وقال الفلاس :كان كذاباً يحدث أحاديث موضوعة وقال الدارقطني :متروك''

(کتاب الموضوعات نسخہ محققہ ج۲ص۱۹ ح۵۴۹، نسخہ قدیمہ ۱/۲۸۹، ۲۹۰)

یعنی (ابن جوزی کے نزدیک) یہ حدیث بلا شک وشبہ موضوع ہے اور اس کے تین راوی ابوالسکین، ابراہیم بن الیسع اور یحییٰ البصری مجروح ہیں۔ ملخصًا

سیوطی نے کہا: ''موضوع'' یہ روایت موضوع ہے۔ (اللآلی المصنوعۃ ۱/۲۷۲)

اس کا راوی خلیل بن مرہ بھی ضعیف ہے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب:۱۷۵۷)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک مرفوع حدیث میں لکھا ہوا ہے کہ ''ولو لا محمد ما خلقتك'' (اے آدم!) اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا نہ کرتا۔

(المستدرک للحاکم ۲/۶۱۵ ح۴۲۲۸ وقال: ''ھذا حدیث صحیح الإسناد'')

اس روایت کو اگرچہ حاکم نے صحیح الاسناد کہا ہے لیکن یہ روایت کئی وجہ سے موضوع ہے:

۱: حافظ ذہبی نے کہا: ''بل موضوع وعبدالرحمٰن واہٍ'' بلکہ یہ روایت موضوع ہے اور عبدالرحمٰن (بن زید بن اسلم) سخت کمزور راوی ہے۔ (تلخیص المستدرک ج۲ص۶۷۲)

۲: عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے بارے میں خود حاکم لکھتے ہیں: ''روی عن أبيه أحاديث موضوعة لا يخفى على من تأملها من أهل الصنعة أن الحمل فيها عليه'' اس نے اپنے ابا (زید بن اسلم) سے موضوع حدیثیں بیان کی ہیں۔ حدیث کا علم جاننے والوں پر یہ مخفی نہیں ہے کہ ان موضوع روایات کی وجہ یہ شخص بذاتِ خود ہے۔

(المدخل الی الصحیح ص۱۵۴ رقم:۹۷)

یعنی اس نے اپنے باپ پر جھوٹ بولتے ہوئے حدیثیں گھڑی ہیں۔

تنبیہ: مستدرک والی روایت بھی عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ــــ بشرطِ صحت ــــ اپنے باپ ہی سے بیان کرتا ہے۔

۳: عبداللہ بن مسلم الفہری نامعلوم (مجہول) ہے یا وہ عبداللہ بن مسلم بن رشید (مشہور

کذاب) ہے۔ دیکھئے لسان المیزان (ج۳ص۳۵۹،۳۶۰ طبعہ جدیدہ ج۴ص۱۶۱،۱۶۲)
معلوم ہوا کہ اس موضوع روایت کو حاکم کا ''صحیح الإسناد'' کہنا ان کی غلطی ہے۔
مستدرک کی ایک دوسری روایت میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ '' فلولا محمد ما خلقت آدم ولولا محمد ما خلقت الجنة ولا النار''
اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ ہوتے تو میں آدم (علیہ السلام) کو پیدا نہ کرتا اور اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ ہوتے تو میں جنت اور جہنم پیدا نہ کرتا۔ (۶۱۵/۲ ح ۴۲۲۷ وقال: ھٰذا حدیث صحیح الاسناد)
یہ روایت کئی وجہ سے موضوع اور مردود ہے:

۱: حافظ ذہبی نے کہا: ''أظنه موضوعًا علٰی سعید'' میں سمجھتا ہوں کہ یہ روایت سعید (بن ابی عروبہ) کی طرف مکذوبًا منسوب کی گئی ہے۔ (تلخیص المستدرک ۶۱۵/۲)

۲: عمرو بن اوس مجہول ہے۔ (دیکھئے میزان الاعتدال ۲۴۶/۳ ولسان المیزان ۳۵۴/۴)

۳: سعید بن ابی عروبہ مختلط ہیں۔

۴: سعید بن ابی عروبہ اور قتادہ دونوں مدلس ہیں۔ اگر یہ روایت ان سے ثابت بھی ہوتی تو مردود تھی۔

۵: طبقات ابی الشیخ الاصبہانی (۲۸۷/۳ ح ۴۹۴) میں جندل بن والق کی سند سے یہ روایت '' ثنا محمد بن عمر المحاربي عن سعيد بن أوس الأنصاري عن سعيد بن أبي عروبة ... '' إلخ کی سند سے مروی ہے۔ اس میں محمد بن عمر مجہول ہے جس نے عمرو بن اوس کو سعید بن اوس سے بدل دیا ہے۔

خلاصۃ التحقیق: لولاك ما خلقت الأفلاك اور اس مفہوم کی ساری روایات موضوع اور باطل ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔
(الذاریٰت: ۵۶)

وماعلینا إلا البلاغ (۱۰/ جنوری ۲۰۰۷ء)

نظر کا لگ جانا برحق ہے

سوال: کیا نظر برحق ہے؟ جیسا کہ ہمارے ہاں مشہور ہے کہ فلاں کو فلاں کی نظر لگ گئی، اس کی کیا حقیقت ہے؟ [عمران الٰہی، راولپنڈی]

الجواب: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((**العین حق**)) نظر (کا لگنا) حق ہے۔ (الصحیفۃ الصحیحۃ تصنیف ہمام بن منبہ: ۱۳۱، صحیح بخاری: ۵۷۴۰ و صحیح مسلم: ۲۱۸۷ [۵۷۰۱]، مصنف عبدالرزاق ۱۱/۱۸ ح ۱۹۷۷۸، مسند احمد ۲/۳۱۹ ح ۸۲۴۵ وسندہ صحیح ولہ طریق آخر عند ابن ماجہ: ۳۵۰۷ وسندہ صحیح ورواہ احمد ۲/۴۸۷)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((**العین حق**)) نظر (لگنا) حق ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۱۸۸ [۵۷۰۲])

سیدنا حابس التمیمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((**والعین حق**)) اور نظر برحق ہے۔ (سنن الترمذی: ۲۰۶۱ وسندہ حسن، مسند احمد ۴/۶۷ حیۃ بن حابس صدوق وثقہ ابن حبان وابن خزیمۃ کما یظہر من اتحاف المہرۃ ۴/۹۷ وروی عنہ یحیی بن ابی کثیر وھو لا یروی إلا عن ثقۃ عندہ)

سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! بنو جعفر (طیار رضی اللہ عنہ کے بچوں) کو نظر لگ جاتی ہے تو کیا میں ان کو دم کروں؟ آپ نے فرمایا:

((**نعم ولو کان شئ یسبق القدر لسبقتہ العین .**)) جی ہاں! اور اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت لے جاتی تو وہ نظر ہوتی۔ (السنن الکبریٰ ۹/۳۴۸ وسندہ صحیح، سنن الترمذی: ۲۰۵۹ وقال: ''حسن صحیح'' وللحدیث شاہد صحیح فی صحیح مسلم ۲۱۹۸ [۵۷۲۶])

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (مجھے) حکم دیا کہ نظر کا دم کرو۔

(صحیح بخاری: ۵۷۳۸ و صحیح مسلم: ۲۱۹۵ [۵۷۲۰-۵۷۲۲])

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر کے (علاج کے) لئے دم کی اجازت دی ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۱۹۶ [۵۷۲۴])

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لڑکی کے بارے میں فرمایا:
((استرقوا لها فإن بها النظرة)) اسے دم کرواؤ کیونکہ اسے نظر لگی ہے۔
(صحیح بخاری: ۵۷۳۹ وصحیح مسلم: ۲۱۹۷[۵۷۲۵])

سیدنا جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ ایک حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر لگ جانے پر دم کی اجازت دی ہے۔ (دیکھئے صحیح مسلم: ۲۱۹۸[۵۷۲۶])

سیدنا بریدہ بن الحصیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دم صرف نظر یا ڈسے جانے کے لئے ہے۔
(صحیح مسلم: ۲۲۰[۵۲۷])

سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
((لا رقية إلا من عين أو حمة.)) دم صرف نظر اور ڈسے ہوئے (کے علاج) کے لئے ہے۔
(سنن ابی داود: ۳۸۸۴ وسندہ صحیح، ورواہ البخاری: ۵۷۰۵ موقوفاً وسندہ صحیح والمرفوع والموقوف صحیحان والحمدللہ)

سیدنا ابوامامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے والد سہل بن حنیف (رضی اللہ عنہ) نے غسل کیا تو عامر بن ربیعہ (رضی اللہ عنہ) نے انھیں دیکھ لیا اور کہا: میں نے کسی کنواری کو بھی اتنی خوبصورت جلد والی نہیں دیکھا۔ سہل بن حنیف (رضی اللہ عنہ) شدید بیمار ہو گئے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا: تم اپنے بھائیوں کو کیوں قتل کرنا چاہتے ہو؟ تم نے برکت کی دعا کیوں نہیں کی؟ ((إن العين حق)) بے شک نظر حق ہے۔
(موطأ امام مالک ۹۳۸/۲ ح ۱۸۱۰ وسندہ صحیح وصححہ ابن حبان، الموارد: ۱۴۲۴)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ نظر لگنے کا برحق ہونا متواتر احادیث سے ثابت ہے۔ سورۂ یوسف کی آیت نمبر ۶۷ سے بھی نظر کا برحق ہونا اشارتاً ثابت ہوتا ہے۔

نظر کا ایک علاج یہ بھی ہے کہ نظر لگانے والے کے وضو (یا غسل) کے بچے ہوئے پانی سے اسے نہلایا جائے جسے نظر لگی ہے۔ دیکھئے موطأ امام مالک (۹۳۸/۲ ح ۱۸۱۰ وسندہ صحیح)
یا درج ذیل دعا پڑھیں:
((أَعُوْذُ بِكَلِمَا تِ اللّٰهِ التَّآمَّةِ، مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ وَّمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَّا مَّةٍ))

اللہ کے پورے کلمات کے ساتھ اس کی پناہ چاہتا ہوں ہر ایک شیطان اور ہر نقصان پہنچانے والی نظر بد سے۔ (صحیح بخاری:۳۳۷۱)

[۱۲ جنوری ۲۰۰۷ء]

مسافتِ نمازِ قصر اور مدتِ قصر

سوال: کیا ۱۲ (بارہ) میل سفر کی نیت سے گھر سے نکلا جائے تو نماز قصر کرسکتا ہے؟ نیز اگر کسی جگہ پر قیام کی نیت چار دن سے زیادہ ہو تو نماز کو پورا پڑھنا چاہیے یا قصر کرنا چاہئے؟

(ایک سائل)

الجواب: صحیح مسلم میں ہے کہ

''عن یحیی بن یزید الھنائي قال: سألت أنس بن مالك عن قصر الصلٰوة؟ فقال: کان رسول اللّٰہ ﷺ إذا خرج مسیرة ثلاثة أمیال أو ثلاثة فراسخ - شعبة الشاك - صلّی رکعتین''

یحییٰ بن یزید الہنائی سے روایت ہے کہ میں نے انس بن مالک سے نماز قصر کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ جب تین میل یا تین فرسخ (نو میل) کے لیے نکلتے تو دو رکعتیں پڑھتے۔ تین میل یا تین فرسخ کے بارے میں شعبہ کو شک ہے۔ (ح ۶۹۱)

شک کو دور کرتے ہوئے نو میل کو اختیار کریں جو کہ عام گیارہ میل کے برابر ہے تو ثابت ہوتا ہے کہ کم از کم گیارہ میل کے سفر پر قصر کرنا جائز ہے۔

اگر کسی شخص کی نیت چار دن سے زیادہ ہو تو بھی قصر پڑھے گا تاہم روایت ابن عباس کی رو سے اگر اس کا ارادہ بیس دن یا اس سے زیادہ کے قیام کا ہو تو اسے پوری نماز پڑھنی چاہیے۔ صحیح البخاری میں ہے کہ

''عن ابن عباس قال: أقام النبي ﷺ تسعة عشر یقصر فنحن إذا سافرنا تسعة عشر قصرنا وإن زدنا أتممنا''

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک جگہ) انیس دن قیام کیا۔ آپ قصر کرتے رہے۔ پس ہم جب انیس دن (قیام) کا سفر کرتے تو قصر کرتے اور اگر اس سے زیادہ (قیام) کرتے تو پوری (نماز) پڑھتے۔ (ح۱۰۸۰)

اس کے مقابلے میں تین یا چار دن کی کوئی صریح دلیل نہیں ہے۔

میت کو کہاں دفن کیا جائے گا؟

سوال: ہمارا شہر بزرگوں اور پیروں کی وجہ سے بہت مشہور ہے اور ان کے عقیدت مند و مرید اپنے گاؤں یا شہر کے قبرستان کو چھوڑ کر سینکڑوں میل دور اپنی میت کو ہمارے شہر کے قبرستان میں عقیدت کی بنیاد پر دفن کرتے ہیں۔ ایک میت دفن کرنے کے ساتھ ساتھ کئی نئی قبریں فرضی بنا کر جاتے ہیں تاکہ ان میں اپنی اور میتیں دفن کریں گے، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

[ریاض احمد، تونسہ شریف]

الجواب: سنت سے یہی ثابت ہے کہ میت جہاں فوت ہوا سے وہیں (اسی علاقہ میں) دفن کرنا چاہیے۔ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''ہم نے اُحد کے دن مقتولوں کو (جنت البقیع میں) دفن کرنے کے لیے اٹھایا تو ایک منادی کرنے والے نے اعلان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیتے ہیں کہ مقتولین کو ان کی جائے قتل پر ہی دفن کرو۔''

[سنن ابی داود: ۳۱۶۵، ترمذی: ۱۷۱۷، وقال: ''حسن صحیح'' نسائی ۴/ ۷۹، ابن ماجہ: ۱۵۱۶]

اسے ابن الجارود (۵۵۳) ابن حبان (۷۷۴، ۵۷۷) اور ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔

اس کا راوی نبیح العنزی ثقہ ہے۔ دیکھئے: کتب الرجال و نیل المقصود (۱۵۳۳)

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کو جب دور سے لا کر مکہ میں دفن کیا گیا تو ام المومنین نے فرمایا: اگر میں (یہاں) موجود ہوتی تو عبدالرحمٰن کو وہیں دفن کر دیا جاتا جہاں فوت ہوا تھا۔'' (سنن ترمذی ح ۱۰۵۵، مصنف عبدالرزاق ۳/ ۵۱۷ ح ۶۵۳۵ وسندہ صحیح واللفظ لہ) اس قسم کے دیگر آثار بھی ہیں دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی (ج ۴/ ۵۷) وغیرہ

[شہادت، جولائی ۱۹۹۹ء]

حافظ ضیاء الدین المقدسی رحمہ اللہ — حافظ ندیم ظہیر

فضائلِ اعمال

استغفار کی فضیلت

۱۰۵) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم شمار کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس میں سو مرتبہ (استغفار کرتے، جس کے الفاظ یہ ہیں) ''رَبِّ اغْفِرْلِيْ وَتُبْ عَلَيَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ'' اے میرے رب! مجھے معاف فرما اور مجھ پر رجوع فرما، یقیناً تو بہت رجوع فرمانے والا، بخشنے والا ہے۔

(سنن ابی داود: ۱۵۱۶، ابن ماجہ: ۳۸۱۴، الترمذی: ۳۴۳۴، ابن حبان: ۲۴۵۹، صحیح)

۱۰۶) سیدنا عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ، روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے نامۂ اعمال میں بہت زیادہ استغفار ہوا تو اس کے لئے طُوبیٰ (خوشخبری) ہے۔

(سنن ابن ماجہ: ۳۸۱۸، اسنادہ حسن)

فوائد: طُوبیٰ جنت کا یا جنت میں ایک درخت کا نام ہے۔ (مرعاۃ المفاتیح ۶۲/۸)

۱۰۷) سیدنا اَغرالمزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (بعض اوقات) میرے دل پر بھی پردہ سا آجاتا ہے اور میں دن میں سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔

(صحیح مسلم: ۲۷۰۲)

فوائد: اس حدیث کے تحت امام قرطبی رحمہ اللہ نے بڑی جامع بحث کی ہے، جس کا مفہوم کچھ اس طرح ہے: اس حدیث سے کسی کو یہ گمان نہیں ہونا چاہئے کہ جسطرح عاصی و باغی شخص کا دل گناہوں کے اثر کو قبول کرتا ہے، ویسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو بھی گناہ نے متاثر کیا ہے۔ (العیاذ باللہ) بلکہ وہ مغفور و مکرم ہیں اور کسی چیز کے ذریعے سے ان کا کوئی مواخذہ نہیں ہو گا۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ ''غین'' (بادل کا چھا جانا) گناہ کے سبب سے نہیں ہے۔ (المفہم ۲۷/۷)
بعض علماء نے اس حدیث کی وضاحت میں کئی اقوال بیان کئے ہیں:

① چونکہ نبی ﷺ ذکر پر مداومت فرماتے تھے، پس جب کوئی وقفہ یا سہو ہو جاتا تو اس بنا پر استغفار کرتے تھے۔

② آپ ﷺ شکر اور اظہارِ عبودیت کے لئے استغفار فرماتے۔

③ آپ ﷺ کو جب امت کے احوال سے مطلع کیا جاتا تو آپ ان کے لئے استغفار کرتے تھے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے المفہم للامام قرطبی (۷/۲۶، ۲۷) شرح الابی والسنوسی علی صحیح مسلم (۹/۱۰۲، ۱۰۳)

۱۰۸) سیدنا زید (ابن حارثہ) مولیٰ رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے: جوشخص یہ کہے: **اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلاَّ هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ** ، میں اللہ سے بخشش طلب کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندہ اور قائم رہنے والا ہے، میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ تو اس کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں، اگر چہ وہ میدانِ جہاد سے فرار ہوا ہو۔ (سنن ابی داود: ۱۵۱۷، الترمذی: ۳۵۷۷، حسن)

۱۰۹) سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے: جس بندے سے گناہ سرزد ہو جائے، پس وہ اچھے طریقے سے وضو کرے، پھر دو رکعتیں نماز ادا کرے، پھر اللہ سے بخشش مانگے تو اللہ اسے معاف فرما دے گا، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ﴿**وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ**﴾ اور وہ لوگ جب کسی برائی کا ارتکاب کر لیتے ہیں یا اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں... آیت کے آخر تک [آل عمران: ۱۳۵]

(سنن ابی داود: ۱۵۲۱، الترمذی: ۳۰۰۶، ابن ماجہ: ۱۳۹۵، اسنادہ حسن)

فوائد: مذکورہ تمام روایات میں استغفار کی فضیلت واضح ہے اور قرآن وحدیث میں اس کی ترغیب وترہیب میں متعدد ارشادات جا بجا ملتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿**وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ**﴾ اور اللہ تعالیٰ آپ کی موجودگی میں ان کو عذاب دینے والا نہیں ہے اور (اسی طرح) اللہ ان کو عذاب

نہیں دے گا جب کہ وہ بخشش مانگنے والے ہوں۔ (الأنفال:۳۳)

نیز فرمایا: ﴿وَمَنْ يَعْمَلْ سُوْءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ جو شخص کسی برائی کا ارتکاب کرے یا اپنے نفس پر ظلم کرے، پھر اللہ سے بخشش طلب کرے تو وہ اللہ کو بہت بخشنے والا، نہایت مہربان پائے گا۔ (النساء:۱۱۰)

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: اے عورتوں کی جماعت! صدقہ کیا کرو اور کثرت سے استغفار کیا کرو، کیونکہ میں نے جہنم میں اکثریت تمھاری (عورتوں کی) دیکھی ہے۔۔۔الخ

(صحیح بخاری:۳۰۴، صحیح مسلم:۷۹)

خود نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا عمل مبارک بھی کثرتِ استغفار تھا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اپنی وفات سے پہلے یہ کلمات کثرت سے پڑھتے ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ، اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ'' پاک ہے اللہ اور اپنی حمد وثنا کے ساتھ میں اللہ سے بخشش طلب کرتا ہوں اور اس کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

(صحیح بخاری:۴۹۶۷، صحیح مسلم:۴۸۴)

اللہ ہم سب کو اپنے حضور عاجزی وانکساری، خشوع وخضوع اور توبہ واستغفار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

''لا حول ولا قوۃ اِلا باللّٰہ'' کی فضیلت

۱۱۰) سیدنا ابوموسیٰ عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ، بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ ایک سفر میں تھے تو آپ نے فرمایا: اے عبداللہ بن قیس! کیا میں تمھیں جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانے کے بارے میں آگاہ نہ کروں؟ میں نے کہا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! (ضرور بتلایئے) آپ نے فرمایا: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کہو۔

(صحیح بخاری:۶۳۸۴، صحیح مسلم:۲۷۰۴)

۱۱۱) سیدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: کیا میں تجھے جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازے کی خبر نہ دوں؟ میں نے کہا: کیوں نہیں!

آپ نے فرمایا وہ: ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ'' ہے۔

(سنن الترمذی: ۳۵۸۱، عمل الیوم واللیلۃ للنسائی: ۳۵۵، اسنادہ حسن)

۱۱۲) سیدنا حازم بن حرملۃ اسلمی رضی اللہ عنہ، بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا تو آپ نے مجھ سے فرمایا: اے حازم ! لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ کا ذکر کثرت سے کیا کرو، کیونکہ یہ جنت کے خزانوں میں سے ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۳۸۲۶، حسن)

فوائد: مذکورہ بالا احادیث میں ''لا حول و لا قوۃ اِلا باللّٰہ'' کو جنت کا خزانہ قرار دیا گیا ہے کیونکہ یہ نہایت نفیس اور بیش قیمت معانی و مفہوم کا حامل ہے نیز ان کلمات میں اللہ تعالیٰ کی برتری کا اقرار و اظہار اور آدمی کی بے چارگی و بے بسی کا ثبوت بھی ہے کہ اگر وہ کسی گناہ سے اجتناب اور کسی خیر و بھلائی کے کام کو سرانجام دیتا ہے تو محض توفیقِ الٰہی سے ہے۔ مزید یہ کہ انھیں کثرت سے پڑھنے کی خوب ترغیب دی گئی ہے۔

کیا غیر مسلموں کو کافر کہنا گالی ہے؟

ڈاکٹر ذاکر نائیک

''کافر'' اُسے کہتے ہیں جو جھٹلاتا یا انکار کرتا ہے۔ ''کافر'' کا لفظ ''کفر'' سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں: جھٹلانا یا چھپانا۔ اسلامی اصطلاح میں ''کافر'' کا مطلب ہے جو اسلام کی تعلیمات اور اس کی سچائی کو جھٹلاتا یا چھپاتا ہے۔ اور جو شخص اسلام کا انکار کرتا ہے اس کو غیر مسلم (Non-Muslim) کہتے ہیں۔ اگر کوئی غیر مسلم خود کو ''غیر مسلم'' یا ''کافر'' کہے جانے کو گالی سمجھتا ہے، جس کا مطلب ایک ہی ہے، تو یہ اس کی اسلام کے بارے میں غلط فہمی کی وجہ سے ہے۔ اسے اسلام اور اسلامی اصطلاحات کو سمجھنے کے صحیح ذرائع تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے اور ''کافر'' کہے جانے کو گالی نہیں سمجھنا چاہیئے۔ ''غیر مسلم'' یا ''کافر'' کے الفاظ گالی نہیں ہیں بلکہ مسلمانوں اور دیگر مذاہب کے پیروکاروں کے مابین محض خطِ امتیاز کھینچنے والی اصطلاحات ہیں۔ اس میں تحقیر کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ فرق و امتیاز قائم کرنے والی ایک معروف اصطلاح کو گالی قرار دینا قلتِ علم کے علاوہ سوءِ فہم کی دلیل ہے۔ [اسلام پر 40 اعتراضات کے عقلی و نقلی جواب ص ۱۳۲، ۱۳۳]

محمد صدیق رضا

غیر ثابت قصے

بیالیسواں (۴۲) قصہ: سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا دودھ فروش خاتون کے ساتھ قصہ:

اسلم بیان کرتے ہیں: اس دوران میں کہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا جب وہ مدینہ میں گشت فرما رہے تھے، جب وہ انتہائی تھک گئے تو رات کے ایک حصہ میں دیوار سے ٹیک لگا کر آرام فرمانے لگے، ایک خاتون اپنی بیٹی سے کہہ رہی تھی: اے میری بیٹی! اُٹھ کر ذرا دودھ میں پانی ملا دے۔

بیٹی نے کہا: امی جان! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ امیر المومنین نے آج کس قدر تاکید فرمائی ہے؟ ماں نے کہا: انھوں نے کس بات کی تاکید فرمائی ہے بیٹی؟ بیٹی نے کہا: انھوں نے ایک منادی کو حکم دیا اور اس منادی نے یہ اعلان کیا کہ دودھ میں پانی نہ ملایا جائے، ملاوٹ نہ کی جائے۔ ماں نے کہا: اے بیٹی! اٹھ اور دودھ میں پانی ملا دے، تو ایسی جگہ ہے جہاں تجھے نہ عمر رضی اللہ عنہ دیکھ پائیں گے اور نہ ان کا منادی۔ بچی نے اپنی ماں سے کہا: امی جان! میں ایسی نہیں ہوں کہ جلوت میں ان کی اطاعت کروں اور خلوت میں ان کی نافرمانی۔ عمر رضی اللہ عنہ یہ سب کچھ سن رہے تھے۔ فرمایا: اے اسلم! اس دروازے کو خوب یاد رکھو اور اس جگہ کو پہچان لو۔ پھر آپ اپنے گشت کے لئے چل دیئے۔ جب صبح ہوئی تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اسلم! اس مقام پر جاؤ اور دیکھو۔ کہنے والی کون تھی اور کس سے کہہ رہی تھی اور یہ کہ کیا ان کے ہاں کوئی مرد ہے؟

اسلم کہتے ہیں: میں اس جگہ پہنچا تو لڑکی غیر شادی شدہ تھی اور یہ اس کی ماں تھی جس کا شوہر نہ

تھا (وہ بیوہ یا مطلقہ تھی) میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور انھیں اس کی خبر دی، تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹوں کو بلا بھیجا اور انھیں اکٹھا کیا اور کہا: تم میں سے کوئی (نیک) عورت سے نکاح کا خواہش مند ہے؟ (وہ عورت اس قدر نیک ہے کہ) اگر تمھارے والد کو نکاح کی ضرورت ہوتی تو تم میں سے کوئی اس لڑکی کی طرف سبقت نہ لے جاتا تو عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میری تو بیوی ہے، عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے بھی یہی فرمایا کہ میری بیوی ہے۔ عاصم نے کہا: اے ابا جان! میری بیوی نہیں پس میری شادی کروا دیں، عمر رضی اللہ عنہ نے اس لڑکی کی طرف پیغام بھیجا اور اپنے بیٹے عاصم سے اس کا رشتہ کرا دیا۔ اس سے عاصم کی ایک بیٹی پیدا ہوئی اور اس بیٹی کے ہاں بھی ایک بیٹی ہوئی اس بیٹی کے ہاں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔ (یعنی وہ عمر بن عبدالعزیز کی والدہ کی نانی تھی) (یہ منکر روایت ہے۔)

تخریج: آجری نے اخبار عمر بن عبدالعزیز (ص ۴۸، ۴۹) میں ''**محمد بن عبدالله بن عبدالحكم بن أعين قال: أخبرني أبي قال: حدثنا عبدالله بن زيد بن أسلم عن أبيه عن جده أسلم**'' کی سند سے یہ روایت بیان کی ہے۔

جرح: اس کی سند ضعیف ہے اس میں عبداللہ بن زید بن اسلم ہے جسے ابن معین، ابن المدینی، جوزجانی، ابو زرعہ اور ابن حجر نے ضعیف قرار دیا ہے اور ابن عدی نے فرمایا: اس کے ضعف کے باوجود اس کی حدیث لکھی جائے اور نسائی نے فرمایا: یہ قوی نہیں، ابن حبان نے فرمایا: نیک شخص تھا، بہت زیادہ غلطیاں کرنے والا اور وہم کا شکار تھا۔ ثقہ راویوں سے ایسی ایسی باتیں بیان کرتا کہ فن حدیث کا مبتدی بھی انھیں سنتا تو ان کے من گھڑت ہونے کی گواہی دیتا۔ اور عبداللہ بن عبدالحکم بن اعین پر ابن معین نے اخبار عمر بن عبدالعزیز کی وجہ سے کچھ انکار فرمایا ہے۔

حوالے: دیکھئے الضعفاء لابن الجوزی (ج ۲ص ۱۲۳) تہذیب الکمال (ج ۱۴ص ۵۳۵) تہذیب التہذیب (ج ۵ص ۱۹۵، ۲۵۳) تقریب التہذیب (ص ۳۰۴، ۳۱۰) اور اسی سند سے ابن الجوزی نے یہ قصہ ''تاریخ عمر بن خطاب'' (ص ۱۰۳) میں روایت کیا ہے۔

تینتالیسواں (۴۳) قصہ: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان کہ کاش! میری ماں نے مجھے نہ جنا ہوتا۔

عبداللہ بن عامر بن ربیعہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ نے زمین سے خشک گھاس کا ایک ٹکڑا اٹھا کر فرمایا: کاش میں یہ گھاس ہوتا! کاش کہ میں پیدا نہ کیا جاتا! کاش کہ میری ماں نے مجھے نہ جنا ہوتا! کاش کہ میں کچھ نہ ہوتا! اے کاش بھولا بھلایا ہوا ہوتا! (ضعیف روایت ہے۔)

تخریج: ابن ابی شیبہ نے مصنف (ج ۱۳ص ۲۷۶) ابن المبارک نے الزہد (ص ۷۹) ابن سعد نے الطبقات الکبریٰ (ج ۳ص ۳۶۰) اور ابن الجوزی نے ''المقلق'' (ص ۶۱) میں ''**شعبة عن عاصم بن عبيدالله عن عبدالله**'' کی سند سے یہ روایت بیان کی ہے۔

جرح: اس کی سند ضعیف ہے، اس میں عاصم بن عبیداللہ بن عاصم بن عمر العدوی ضعیف راوی ہے۔ (تقریب التہذیب ص ۲۸۵)

اور ابن سعد نے الطبقات الکبریٰ (ج ۳ص ۳۶۱) میں اسے ''**يحيى بن سعيد و عبيدالله بن عمر عن عاصم بن عبيدالله عن سالم عن عمر**'' کی سند سے اس قسم کا ایک قصہ نقل کیا ہے، اس کی سند بھی سابقہ سند کی طرح عاصم بن عبیداللہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

عرضِ مترجم: اکثر لوگ عاجزی وانکساری کے عنوان پر گفتگو یا خطاب کے دوران میں اکثر و بیشتر یہ قصہ بیان کرتے سنے جاتے ہیں لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے یہ قصہ ثابت ہی نہیں۔ یقیناً اللہ سبحانہ وتعالیٰ عاجزی وانکساری کو پسند فرماتا ہے اور غرور، تکبر اور گھمنڈ کو پسند نہیں فرماتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إِلاَّ رَفَعَهُ اللّٰهُ))

اور جو صرف اللہ (کی رضا کے لئے) تواضع، عاجزی وانکساری اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بلند فرماتا ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۵۸۸)

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴾

یقیناً اللہ تعالیٰ ہر تکبر کرنے والے اور فخر کرنے والے کو ناپسند فرماتا ہے۔ (لقمان:۱۸)

چوالیسواں (۴۴) قصہ: نبی کریم ﷺ اور ایک بوڑھی خاتون کا قصہ:

حسن سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک بوڑھی خاتون آئیں، عرض کی: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ اللہ مجھے جنت میں داخل فرما دے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے فلاں کی ماں! یقیناً جنت میں بوڑھیاں داخل نہیں ہوں گی، راوی نے کہا: وہ روتی ہوئی چلی گئیں تو نبی ﷺ نے فرمایا: اِس کو جا کر بتلاؤ وہ جنت میں اسطرح داخل نہیں ہوں گی کہ وہ بوڑھی ہوں، یقیناً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ۙ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ۙ عُرُبًا اَتْرَابًا ۙ﴾

ہم نے ان (کی بیویوں) کو خاص طور پر بنایا ہے، اور ہم نے انھیں کنواریاں بنا دیا ہے، محبت کرنے والیاں اور ہم عمر ہیں۔ (الواقعۃ:۳۵ تا ۳۷)

تخریج: ترمذی نے الشمائل المحمدیۃ (ص ۲۰۱ ح ۲۳۹) میں بغوی نے اپنی تفسیر (ج ۸ ص ۱۴) میں اور الانوار (ج ۱ ص ۳۵۸) میں، بیہقی نے ''البعث'' (ص ۲۰۰) میں اور ابوالشیخ نے ''اخلاق النبی ﷺ'' (ص ۸۸) میں ''**مبارك بن فضالة عن الحسن**'' کی سند سے یہ روایت بیان کی ہے۔

جرح: اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ اس میں دو علتیں ہیں:

پہلی علت: مبارک بن فضالہ تدلیس تسویہ کیا کرتا تھا۔

دوسری علت: روایت مرسل ہے۔

دیکھئے تقریب التہذیب (ص ۵۱۹) اور تعریف اہل التقدیس (ص ۱۰۴) اور اسی سند سے ابن القیم نے ''حادی الارواح'' (ص ۲۶۵) میں یہ روایت بیان کی اور اس میں جریر نے حسن سے مرسلاً بیان کرتے ہوئے مبارک بن فضالہ کی تائید کی ہے۔

ابن بشکوال نے ''غوامض الاسماء المبہمہ'' (ج ۳ ص ۸۵۴) میں علی بن محمد کی سند

سے حسن (بصری) سے (مرسلاً) روایت کی ہے۔

اس کی سند میں بھی علی بن مدائنی الاخباری ہے۔ابن عدی نے اس سے متعلق کہا کہ یہ حدیث میں قوی نہیں اور یحییٰ بن معین نے اس کی توثیق کی ہے۔ دیکھئے میزان الاعتدال (ج۳ص۱۵۳) لسان المیزان (ج۴ص۲۵۳)

[یہ صدوق راوی ہے۔ دیکھئے الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین ص۱۰۸]

حافظ العراقی نے تخریج احیاء العلوم (ج۳س۱۲۹) میں ،اس روایت میں ''ارسال'' ہی کی علت بیان فرمائی لیکن اس پر تعاقب کیا اور کہا: ابن الجوزی نے ''الوفاء'' میں اسے انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ایک ضعیف سند سے مسنداً بیان کیا۔

حافظ ابن کثیر نے شمائل الرسول صلی اللہ علیہ وسلم (ص۱۰۰) میں ارسال ہی کی علت سے، اس روایت کو معلل ٹھہرایا ہے۔

ایک شاہد: اس روایت کا ایک شاہد ہے۔ جسے طبرانی نے المعجم الاوسط (ج۵ص۳۵۷) میں اور ابونعیم نے ''صفۃ الجنۃ'' (ج۳ص۲۳۱) میں ''**محمد بن عثمان بن أبي شيبة ثنا أحمد بن طارق: ثنا مسْعَدَة بن اليسع: ثنا سعيد بن أبي عروبة عن قتادة عن سعيد بن المسيب عن عائشة**'' (رضی اللہ عنہا) کی سند سے یہ روایت بیان کی۔

[یہ روایت مسعدہ بن الیسع الباہلی کی وجہ سے موضوع ہے کیونکہ یہ سخت مجروح راوی ہے۔]

خلاصۂ کلام: یقیناً یہ حدیث ضعیف ہے اور دو اہم سبب واضح ہیں:

اولاً۔ اس کے متون کے اضطراب کی وجہ سے۔

ثانیاً۔ اس کی اسانید کے ضعف پر غور کرتے ہوئے اور اس میں پیدا ہونے والے اضطراب کی وجہ سے ،اس روایت کی تقویت بھی ممکن نہیں ہے اور اس کے بعض راویوں کے شدید ضعف کی وجہ سے بھی یہ ممکن نہیں اور اس حدیث کی علت کے واضح ہو جانے کے بعد آپ جان سکتے ہیں اس قسم کی روایت کی تحسین یعنی ''حسن'' قرار دینا انتہائی دور کی کوڑی لانے کے مترادف ہے۔

عرضِ مترجم: اس روایت کی اسنادی حیثیت آپ کے سامنے ہے کہ اصولِ حدیث کی روشنی میں یہ پایۂ ثبوت کونہیں پہنچتی لیکن آپ نے اکثر لوگوں کو دیکھا ہوگا حتیٰ کہ بعض اہلِ علم حضرات بھی ''سنجیدہ مزاح''، جس میں نہ جھوٹ ہو اور نہ کسی کی تحقیر ہو، کے سلسلے میں یہ روایت بیان کرتے ہیں حالانکہ یہ ضعیف روایت ہے۔

ٹھیک ہے اسلام یہ حکم نہیں دیتا کہ انسان بالکل خشک مزاج بن کر رہ جائے بلکہ سنجیدہ مزاح جس میں جھوٹ ہو نہ غلط بیانی اور تحقیر ہو نہ کسی کا دل دکھانا تو ایسا مزاح قطعاً معیوب نہیں۔

پینتالیسواں (۴۵) قصہ: فروخ اور اس کے بیٹے ربیعہ کا قصہ:

عبدالوہاب بن عطاء الخفاف نے کہا: مجھ سے مدینہ کے بعض مشائخ نے بیان کیا کہ ربیعہ کے والد فروخ بنواُمیہ کے حکمرانی کے دنوں میں مجاہد ہو کر جہادی قافلوں میں خراسان کی طرف گئے اور ربیعہ اپنی والدہ کے پیٹ میں تھے، فروخ اپنی زوجہ اور ربیعہ کی والدہ کے پاس تیس ہزار دینار چھوڑ گئے تھے، ستائیس سال بعد وہ مدینہ لوٹ آئے، وہ گھوڑے پر سوار تھے اور ان کے ہاتھ میں نیزہ تھا۔ اپنے گھوڑے سے اترے اور نیزے سے دروازہ کھولا تو ربیعہ نکل آئے اور کہا: اے اللہ کے دشمن! آپ میری حرمت (کے مقام) پر داخل ہو چکے ہیں: دونوں ایک دوسرے پر چڑھائی کرنے لگے حتیٰ کہ پڑوسی جمع ہو گئے۔

تو مالک بن انس و دیگر شیوخ تک یہ خبر پہنچی وہ ربیعہ کی مدد کے لئے آ گئے اور ربیعہ فروخ سے کہنے لگے، اللہ کی قسم! میں تمھیں بادشاہ کے پاس لے جا کر ہی چھوڑوں گا، اور فروخ بھی اسی طرح کہنے لگا، اور یہ کہ تم میری بیوی کے ساتھ تھے، اور بہت شور وغوغا ہوا، لوگوں نے جب مالک بن انس کو دیکھا تو سب خاموش ہو گئے۔ تو مالک نے کہا: اے بزرگ! آپ کے لئے کسی دوسرے گھر میں گنجائش ہوگی، تو فروخ نے کہا: یہی میرا گھر ہے اور میں فروخ ہوں فلاں قبیلے کا آزاد کردہ غلام۔ ان کی بیوی نے یہ بات سن لی تو باہر آئی اور کہا: یہ

میرے شوہر ہیں اور یہ میرا بیٹا ہے جسے میں نے ان کے جانے کے بعد جنا (جس وقت فروخ گھر سے گئے تو) میں حاملہ تھی، پس دونوں گلے ملے اور رونے لگے....

تخریج: ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (ج ٦ ص ٩٣) میں '' **أحمد بن إبراهيم بن شاذان: أنبأنا أبو بكر أحمد بن مروان المالكي بمصر: حدثنا يحيى بن أبي طالب: حدثنا عبدالوهاب** '' کی سند سے یہ قصہ بیان کیا۔

جرح: اس کی سند مشائخ کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ حافظ ذہبی نے فرمایا: ''یہ باطل قصہ ہے۔'' [اس سند کا ایک راوی احمد بن مروان المالکی سخت ضعیف اور متہم بالکذب ہے۔ لہٰذا یہ سند موضوع ہے۔]

چھیالیسواں (٤٦) قصہ: نبی کریم ﷺ کا اہلِ مکہ کے ساتھ معاملے کا قصہ:

قتادہ السدوسی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب باب کعبہ پر ٹھہرے تو وہاں کھڑے ہوکر فرمایا: **لا إله إلا اللّٰهُ وحده لا شريك له**: اللہ کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندے کی مدد کی، اور تمام لشکروں کو اکیلے ہی شکست دی.....

اے قریش کی جماعت! بے شک اللہ نے تمھاری جاہلیت کا غرور اور آباء واجداد پر فخر وغرور زائل فرما دیا۔ تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں، پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ط﴾

اے لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمھیں کنبے اور قبیلے بنا دیا تاکہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اللہ کے نزدیک تم میں سے عزت والا وہ ہے جو تم سب سے زیادہ تقویٰ دار ہے۔ (الحجرات: ١٣)

اے جماعتِ قریش اور اے اہلِ مکہ! تم کیا خیال رکھتے ہو کہ میں تمھارے ساتھ کیا کرنے والا ہوں؟ تو انھوں نے جواب دیا: ''بھلائی'' (کرنے والے ہیں) آپ معزز بھائی ہیں اور معزز بھائی کے بیٹے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چلے جاؤ تم سب آزاد ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سب کو چھوڑ دیا.... (یہ ضعیف روایت ہے۔)

تخریج: طبری نے التاریخ (ج۲ص۱۶۱) میں'' **ابن حمید حدثنا سلمة عن ابن إسحاق عن عمر بن موسی بن الوجیه عن قتادة** '' کی سند سے یہ روایت بیان کی ہے۔

جرح: اس کی سند تاریک ہے اور اس میں بہت سی علتیں ہیں:

پہلی علت: ارسال ہے (یہ روایت مرسل ہے، قتادہ السدوسی تابعی ہیں)

دوسری علت: محمد بن حمید الرازی کو (جمہور) محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔

تیسری علت: سلمہ بن الفضل الابرش ضعیف ہے۔

چوتھی علت: ابن اسحاق مدلس ہیں اور انھوں نے یہ روایت عن سے بیان کی ہے۔

پانچویں علت: عمر بن موسیٰ بن وجیہ الحمصی ہے۔ بخاری نے اس سے متعلق فرمایا: یہ منکر الحدیث ہے۔ ابن معین نے فرمایا: یہ ثقہ نہیں ہے۔ ابن عدی نے فرمایا: یہ ان لوگوں میں سے ہے جو حدیث کی سند اور متن دونوں ہی گھڑ لیتے ہیں اور نسائی نے فرمایا: یہ متروک الحدیث ہے۔ ابو حاتم نے فرمایا: حدیث میں گیا گزرا ہے، یہ احادیث گھڑا کرتا تھا اور دارقطنی نے فرمایا: یہ متروک ہے۔

حوالے: دیکھئے میزان الاعتدال (ج۳ص۲۲۴، ۵۳۰) تقریب التہذیب (ص۴۶۷) تہذیب الکمال (ج۱۱ص۳۰۵) اور ابن اسحاق نے ''السیرۃ'' (ج۴ص۴۰) میں بعض اہل علم کی سند سے یہ روایت بیان کی، وہ اللہ کے رسول ﷺ سے روایت بیان کرتے ہیں۔

شیخ البانی نے سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ (ج۳ص۳۰۸) میں فرمایا: یہ سند ضعیف ہے، مرسل ہے اس لئے کہ اس میں ابن اسحاق کے شیخ (جن سے اس نے روایت کی تھی) کا نام نہیں لیا گیا، پس وہ مجہول ہیں پھر ابن اسحاق کے شیخ صحابی بھی نہیں ہیں، اس لئے کہ ابن

اسحاق نے کسی صحابی کو نہیں پایا (کسی صحابی سے نہیں سنا) بلکہ وہ تابعین اور اپنے دور کے لوگوں سے روایت کرتے تھے تو یہ روایت مرسل ہے یا معضل ہے (اس کی سند میں بعض راویوں کے نام ساقط ہیں) دیکھئے تخریج فقہ السیرۃ (ص ۳۸۲)

سینتالیسواں (۴۷) قصہ: عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ السلمی کا قصہ:

عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ان کی تالیف قلب کے لئے مال عطا فرمایا، وہ معزز لوگوں میں سے تھے۔ آپ انھیں مال عنایت فرما کر ان کے دلوں کو مانوس فرماتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کو سو اونٹ دیئے ان کے بیٹے معاویہ رضی اللہ عنہ کو سو اونٹ دیئے، حکیم بن حزام کو سو اونٹ دیئے ......سعید بن یربوع کو پچاس اونٹ دیئے، سہمی کو پچاس اونٹ دیئے اور عباس بن مرداس کو آپ نے چند اونٹ دیئے تو وہ اس پر ناراض ہوئے اور اس پر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ناراضی کا اظہار کیا اور آپ کی ہجو میں شعر کہا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جاؤ میری طرف سے اس کی زبان کاٹ ڈالو۔ پس انھوں نے اسے کچھ بڑھا کر دیا یہاں تک کہ وہ راضی ہو گیا۔ پس یہی اس کی زبان کاٹنا تھا جس کا حکم دیا گیا۔

تخریج: طبری نے اپنی التاریخ (ج ۲ ص ۱۷۵) میں ''**ابن حمید: حدثنا سلمة عن ابن إسحاق عن عبدالله**'' کی سند سے یہ روایت بیان کی ہے۔

جرح: اس کی سند بے کار ہے اس میں کچھ علتیں ہیں:

پہلی علت: ارسال ہے (روایت کا مرسل ہونا)

دوسری علت: محمد بن حمید الرازی ہے اس سے متعلق یعقوب بن شیبہ نے کہا: یہ کثیر المناکیر ہے۔ [بہت زیادہ منکر روایات بیان کرنے والا تھا] امام بخاری نے فرمایا: اس میں نظر ہے (یعنی یہ متروک ہے) اور نسائی نے فرمایا: یہ ثقہ نہیں اور ابو زرعہ نے اسے کذاب قرار دیا اور اسی طرح ابن خراش و صالح جزرہ نے بھی اسے کذاب قرار دیا۔

تیسری علت: سلمہ بن الفضل الابرش ہے۔ بخاری نے اس کے متعلق فرمایا: اس کی احادیث میں بعض مناکیر ہیں، نسائی نے کہا: یہ ضعیف ہے، ابوحاتم نے کہا: اس سے حجت نہ لی جائے۔ ابن المدینی نے فرمایا: ہم الری علاقہ سے نہ نکلے حتیٰ کہ ہم نے سلمہ کی روایات پھینک دیں۔

چوتھی علت: ابن اسحاق مدلس ہیں۔

دیکھئے میزان الاعتدال (ج۲ص۱۹۲، ج۳ص۵۳۰) تقریب التہذیب (ص ۴۶۷) طبقات المدلسین (ص۹۷) اور سیوطی کی اسماء المدلسین (ص۱۵۲)

ایک اور سند: بیہقی نے دلائل النبوۃ (ج۵ص۱۸۲) میں ''**أحمد بن عبدالجبار قال: حدثنا عن ابن إسحاق قال حدثنا عبدالله بن أبي بکر بن حزم و غیره قالوا**'' کی سند سے یہ روایت نقل کی ہے۔

جرح: یہ سند انتہائی کمزور ہے اس میں دو علتیں ہیں:

پہلی علت: احمد بن عبدالجبار بن العُطاردی ہے (بعض) محدثین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

دوسری علت: ارسال ہے۔ دیکھئے تہذیب الکمال للمزی (ج۱ص ۳۷۸) تقریب التہذیب (ص۸۱) میزان الاعتدال (ج۱ص۱۱۲)

اور بیہقی نے دلائل النبوۃ (ج۵ص۱۷۹) میں عروہ بن الزبیر اور موسیٰ بن عقبہ سے مرسلاً نقل کیا ہے اور اس روایت میں ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: جاؤ میری طرف سے اس کی زبان کو کاٹ ڈالو۔ زبان کاٹنے سے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی یہ مراد تھی کہ مال مویشی کے عطیہ کے ذریعے سے اس کی زبان روک دو اور محمد بن اسحاق نے السیرۃ (ج۴ص۱۰۲) میں اسے بلا سند ذکر کیا ہے اور ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ (ج۴ص۳۵۹) میں عروہ و موسیٰ بن عقبہ سے روایت کرتے ہوئے زہری سے مرسلاً بیان کیا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ اس کی زبان کاٹ ڈالو۔ اس قصہ کی اصل صحیح مسلم (ج۲ص۲۳۷) میں ہے اُس میں زبان کاٹ ڈالنے کے الفاظ کا ذکر نہیں ہے لہٰذا یہ اضافی الفاظ منکر ہیں۔

ایک شاہد: اس روایت کا ایک شاہد ہے عطاء بن ابی رباح کی مرسل روایت سے اور اس میں یہ الفاظ ہیں کہ ''اس دوران میں کہ رسول اللہ ﷺ طواف فرما رہے تھے فتح مکہ کے دن ابن الزبعری کا ان سے سامنا ہوا اور اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے بلال! میری طرف سے اس کی زبان کو کاٹ دو....

یہ روایت ابن ابی الدنیا نے الإشراف فی منازل الأشراف (ص ۲۴۲) میں ''**علي بن الجعد قال: أخبرنا ابن كرب القرشي عن صدقة بن يسار عن عطاء**'' کی سند سے بیان کی ہے۔

اور بیہقی نے السنن الکبریٰ (ج ۱۰ ص ۲۴۱) میں ''**سفیان عن عمرو بن دينار عن عكرمة**'' کی سند سے مرسلاً بیان کیا ہے۔

بیہقی نے فرمایا: یہ منقطع روایت ہے محمد بن مسلم نے عمرو سے موصولاً بھی اسے روایت کیا جس میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ذکر بھی ہے لیکن یہ روایت محفوظ نہیں۔

اڑتالیسواں (۴۸) قصہ: سیدہ ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا کا غزوۂ احد میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے کلیجہ چبانے کا قصہ:

ابن اسحاق سے مروی ہے کہ مجھ سے صالح بن کیسان نے بیان کیا کہ ہند بنتِ عتبہ رضی اللہ عنہا اور ان کے ساتھ شریک خواتین رسول اللہ ﷺ کے شہداء ساتھیوں کا مثلہ کرنے لگیں، وہ ان کے کان اور ناک کاٹ رہی تھیں یہاں تک کہ ہند رضی اللہ عنہا جو اپنے ہار، پازیب اور بالیاں وغیرہ وحشی کو دے چکی تھیں ان شہداء کے کٹے ہوئے کانوں اور ناکوں کے ہار اور پازیب بنائے ہوئی تھیں اور انھوں نے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چیرا اور اسے چبانے لگیں لیکن اسے بآسانی حلق میں اتار نہ سکیں تو تھوک دیا۔ پھر ایک اونچی چٹان پر چڑھ گئیں اور بلند آواز سے چیختے ہوئے کہا:

ہم نے تمھیں یومِ بدر کا بدلہ دے دیا   جنگ کے بعد جنگ جنون والی ہوتی ہے۔

عتبہ کے معاملے میں مجھ میں صبر کی سکت نہ تھی اور نہ ہی اپنے بھائی اور اس کے چچا ابوبکر پر
میں نے اپنی جان کو شفا دی اور انتقام کو پورا کیا وحشی تو نے میرے غصہ کی آگ بجھا دی
پس وحشی کا مجھ پر عمر بھر احسان رہے گا یہاں تک کہ قبر میں میری ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں
تخریج: ابن اسحاق نے اسے السیرۃ (ج۳ص۳۶) میں روایت کیا۔
اس کی سند ضعیف ہے مرسل ہے (انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے)
یہ قصہ ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ (ج۴ص۳۷) میں نقل کیا پھر فرمایا: موسیٰ بن عقبہ نے ذکر کیا کہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ وحشی نکال کر ہند رضی اللہ عنہا کے پاس لائے تھے انھوں نے اس کو چبایا پر نگل نہ سکیں۔

انچاسواں (۴۹) قصہ: حماد بن سلمہ کا قصہ اہلِ بدعت کے ساتھ:

ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن مہدی نے کہا:
حماد بن سلمہ پہلے اس قسم کی روایات نہیں جانتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک بار آپ عبادان کی طرف نکلے پس جب واپس آئے تو انھیں روایت کرنے لگے، میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ شیطان نے دریا سے نکل کر ان پر یہ روایات القاء کر دی ہیں۔ (یہ باطل روایت ہے۔)
تخریج: ابن عدی نے الکامل (ج۲ص۶۷۶) میں ''ابن حماد: ثنا أبو عبدالله محمد بن شجاع بن الثلجي'' کی سند سے یہ روایت بیان کی ہے۔
جرح: اس کی سند ساقط ہے اس میں محمد بن شجاع الثلجی البغدادی راوی ہے اور یہ کذاب ہے۔
ابن عدی نے فرمایا: ابوعبداللہ ابن الثلجی کذاب ہے۔ احادیث گھڑتا تھا اور ان کفریہ روایات کو اہلِ حدیث کی کتابوں میں ٹھونسنے کی کوشش کرتا اور یہ روایت بھی اس کی گھڑی ہوئی روایات میں سے ہے۔ زکریا الساجی نے فرمایا: محمد بن شجاع کذاب ہے۔ حدیث کے ابطال ورائے کی نصرت کے لئے اس نے یہ حیلہ کیا۔ (محدثین سے متعلق جھوٹی باتیں اور ان سے جھوٹی روایات گھڑ دیں)

دیکھئے میزان الاعتدال (ج۳ص۵۷۸)
ذہبی نے فرمایا: یہ ابن الثلجی حماد اور ان جیسے دیگر محدثین کے متعلق سچا نہیں ہے۔ اس نے بہتان لگایا ہے، ہم اللہ سے سلامتی کے طلبگار ہیں۔
الشیخ المعلمی نے التنکیل (ج۱ص۲۵۲) میں اس (موضوع) حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔
اور حماد بن سلمہ... سلف صالحین میں سے ایک بڑے بزرگ تھے، ان کے متعلق امام اہل سنت امام احمد بن حنبل نے فرمایا: جب آپ کسی کو دیکھیں کہ وہ حماد بن سلمہ پر طعن کر رہا ہے تو آپ اس کے اسلام میں شک کریں اس لئے کہ حماد اہل بدعت پر بڑے ہی سخت تھے۔

(سیر اعلام النبلاء ج۷ص۴۵۰)

[تنبیہ: یہ قول امام احمد سے باسند صحیح ثابت نہیں ہے۔]
جب حماد بن سلمہ اس مقام پر تھے تو اہل بدعت نے ان کے خلاف ایسی باتیں گھڑیں تاکہ لوگوں کو ان سے دور کر دیں ایک خاص وجہ سے وہ یہ کہ وہ خاص طور پر صفاتِ الٰہی سے متعلق احادیث (یاد رکھتے اور) روایت کرتے تھے۔

حافظ ابن حبان نے کتاب الثقات (ج۶ص۲۱۷) میں فرمایا کہ ان کے عرصۂ حیات میں کوئی ان کی مذمت نہ کرتا سوائے قدری اور جہمی بدعتیوں کے، کیونکہ وہ ان صحیح احادیث کو بیان فرماتے تھے جن کا معتزلہ (اپنی بدعات کے خلاف ہونے کی وجہ سے) انکار کرتے تھے۔

پچاسواں (۵۰) قصہ: غزوۂ بدر میں سواد بن غزیہ الانصاری رضی اللہ عنہ کا قصہ:

ابن اسحاق نے کہا: ہم سے حبان بن واسع نے اپنی قوم کے مشائخ سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن صفوں کو درست فرمایا، آپ کے ہاتھ میں ایک تیر تھا جس کے ذریعے سے آپ قوم (کی صفوں) کو برابر فرما رہے تھے، آپ بنی عدی بن النجار کے حلیف سواد بن غزیہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے وہ صف سے کچھ آگے نکلے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیر سے ان کے پیٹ میں چوکا مارا اور فرمایا: اے سواد!

سیدھے کھڑے ہو جایئے۔

انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، مجھے قصاص دیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا بطن مبارک ظاہر فرما دیا اور فرمایا: قصاص لے لو۔ غزیہ آپ سے لپٹ گئے اور آپ کے بطن مبارک پر بوسہ دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

کس چیز نے تجھ سے ایسا کروایا اے سواد؟ تو انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! جو کچھ (جنگی صورت حال) پیش آئی ہے آپ دیکھ رہے ہیں اور میں شہید ہونے سے محفوظ نہیں تو میں نے یہ پسند کیا کہ میری جلد آپ کی مبارک جلد کو چھو لے، تو رسول اللہ ﷺ نے آپ کے لئے دعائے خیر فرمائی۔ (یہ ضعیف روایت ہے۔)

تخریج: ابن الاثیر نے اسد الغابۃ (ج۲ص۴۷۴) میں ''**یونس بن بکیر عن ابن إسحاق**'' کی سند سے یہ قصہ بیان کیا۔

جرح: اس کی سند ضعیف ہے۔ اس سند میں کچھ مجہول راوی ہیں اور وہ حبان کی قوم کے کچھ بوڑھے ہیں۔ ''**أشياخ من قومه**''

اس سند سے ابن اسحاق نے السیرۃ (ج۱ص۶۲۶۔ سیرۃ ابن ہشام) میں بیان کیا اور حافظ ابن حجر نے الاصابۃ (ج۴ص۲۹۳) میں اس کا ایک مرسل شاہد جعفر بن محمد سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ۔۔ پھر یہی روایت بیان کی۔ ابن سعد نے الطبقات الکبریٰ (ج۳ص۵۱۶) میں ''**إسماعيل بن إبراهيم عن أيوب عن الحسن**'' کی سند سے اسے مرسلاً بیان کیا ہے۔ ابن سعد نے کہا: اسی طرح اسماعیل نے کہا۔

شیخ فوزی کہتے ہیں: مرسل روایت ضعیف کی اقسام میں سے ہے۔

آئندہ شمارے میں

استاذِ محترم حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کے قلم سے بعنوان ''مرزا غلام قادیانی کے تیس (۳۰) جھوٹ'' مع تبصرہ شائع کئے جائیں گے۔ (ان شاء اللہ) حافظ شیر محمد

حافظ زبیر علی زئی

محمد اسحاق صاحب جہال والا: اپنے خطبات کی روشنی میں

الحمد لله رب العالمین و الصلوٰة و السلام علیٰ رسوله الأمین ، أما بعد:

محمد اسحاق جہال والا بن منشی بن رانجھا ۱۹۳۵ء میں چک جھمرہ ضلع فیصل آباد میں پیدا ہوئے۔ اپنے معتقدین کی نظر میں وہ ''مفتی، شیخ الحدیث'' اور ''محقق العصر'' ہیں۔ میاں محمد یٰسین عمر نے ان کے خطبات دو جلدوں میں ترتیب، تحقیق اور نظر ثانی کر کے احاطۂ تحریر کئے جو خطباتِ اسحاق (فتاویٰ آن لائن والے) کے نام سے تکبیر اکیڈمی فیصل آباد سے شائع ہوئے ہیں۔ میاں محمد یٰسین صاحب لکھتے ہیں:

''مولانا (حفظہ اللہ) چونکہ بنیادی طور پر محقق ہیں'' (خطباتِ اسحاق، عرضِ مرتب ج ۱ ص ۶)

میاں صاحب مزید لکھتے ہیں کہ

''دوسری بات یہ کہ مولانا (حفظہ اللہ) حدیثِ رسول کے بارے میں بہت محتاط ہیں کیونکہ حدیث رسول کا مقام بہت نازک اور اہم ہے اس سے حلال چیز حرام اور حرام چیز حلال ہو سکتی ہے وہ ایسے لوگوں کی بہت گرفت کرتے ہیں جو موضوع اور کمزور روایتوں سے استدلال کرتے ہیں ایسے لوگوں نے دین کو بہت نقصان پہنچایا ہے''

(عرضِ مرتب، خطباتِ اسحاق ج ۱ ص ۸)

محمد رمضان یوسف صاحب لکھتے ہیں:

''مولانا محمد اسحاق صاحب (حفظہ اللہ) جہاں بلند پایہ محقق اور فصیح اللسان خطیب ہیں وہیں وہ اچھے مناظر اور متکلم بھی ہیں گفتگو کا سلیقہ خوب جانتے ہیں حدیث اور رجال پر نظر گہری ہے۔'' (محقق العصر مولانا محمد اسحاق کا مختصر تعارف، خطباتِ اسحاق ج ۱ ص ۱۶)

رمضان صاحب مزید لکھتے ہیں:

''مولانا محمد اسحاق صاحب (حفظہ اللہ) خالص علمی و تحقیقی آدمی ہیں ہمہ وقت

پڑھتے رہتے ہیں تصنیف کی طرف زیادہ توجہ نہیں دے سکے''

(خطباتِ اسحاق ج ۱ ص ۱۸)

جناب رمضان صاحب لکھتے ہیں:

''مولانا اسحاق صاحب بڑے ذی علم اور نکتہ دان عالمِ دین ہیں ان کے خطبات میں علمی شان اور مستند مواد پایا جاتا ہے خواندگان ذی احترام کی خدمت میں مولانا صاحب کے خطبات کا مجموعہ پیش کیا جا رہا ہے اس میں سیرت النبی ﷺ پر مشتمل خطبات احاطہ تحریر میں لائے گئے ہیں یہ خطبات مستند معلومات اور صحیح روایات کے تناظر میں پیش کئے گئے ہیں۔'' (خطباتِ اسحاق ج ۱ ص ۱۸، ۱۹)

اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ راقم الحروف نے ''اسحاق جھال والا'' صاحب کے خطبات کی دونوں جلدوں کا سرسری (بغیر استیعاب کے) مطالعہ کیا اور ان کے خطبات کو درج ذیل باتوں پر بھی مشتمل پایا ہے:

① ضعیف و مردود روایات ② بے سند و بے اصل آثار و اقوال
③ جہالتیں ④ عجیب و غریب قصے
⑤ خوابوں کی دنیا

اس مختصر مضمون میں ان پانچ اقسام کے بعض حوالے و دلائل پیشِ خدمت ہیں تا کہ عام مسلمانوں کے سامنے اس ''محقق العصر'' کا صحیح علمی مقام و مرتبہ متعین ہو جائے۔

۱۔ ضعیف و مردود روایات

اگرچہ پروپیگنڈا یہ کیا جاتا ہے کہ محمد اسحاق جھال والا صاحب کے خطبات میں صحیح و مستند روایات ہیں لیکن اس کے برعکس ان خطبات میں ضعیف و مردود روایات کثرت سے ملتی ہیں، جن کی دس مثالیں درج ذیل ہیں:

① اسحاق صاحب فرماتے ہیں:

''اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک دعا کی تعلیم دی ہے دعا کے الفاظ یہ ہیں:

((اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ سَرِیْرَتِيْ خَیْرًا مِنْ عَلَانِیَتِيْ وَاجْعَلْ عَلَانِیَتِيْ صَالِحَةً اَللّٰھُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ مِنْ صَالِحِ مَاتُؤْتِی النَّاسَ مِنَ الْاَھْلِ وَالْمَالِ وَالْوَلَدِ غَیْرَ الضَّالِّ وَلَا الْمُضِلِّ)) اے اللہ! میرے باطن کو ظاہر سے بہتر بنا اس کیساتھ میرے ظاہر کو بھی درست کر دے۔ اے اللہ! مجھے کنبہ، اولاد اور مال جو بھی اچھی چیزیں تو لوگوں کو دیتا ہے مجھے بھی عطا فرما: اس کیساتھ ہی میں پناہ مانگتا ہوں کہ یہ چیزیں نہ تو مجھے گمراہ کریں نہ خود گمراہ ہوں۔'' (خطبات اسحاق ج ۱ص ۱۴۶)

تبصرہ: یہ روایت سنن الترمذی (۳۵۸۶ وقال: ھٰذا حدیث غریب...ولیس إسنادہ بالقوی) مشکوٰۃ المصابیح (بتحقیق الالبانی: ۲۵۰۴) وتنقیح الرواۃ (ج ۱ص ۱۰۹) وحلیۃ الاولیاء (۵۴۳/۱) میں موجود ہے۔

اس روایت پر امام ترمذی اور صاحب تنقیح الرواۃ دونوں نے جرح کر رکھی ہے۔ اس کا راوی ابوشیبہ عبدالرحمٰن بن اسحاق الکوفی الواسطی مشہور ضعیف راوی ہے جس پر جمہور محدثین نے جرح کر رکھی ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا: ''**ضعیف**'' (تقریب التہذیب: ۳۷۹۹)

ابوشیبہ مذکور پر محدثین کرام کی شدید جروح کے لئے دیکھئے میری کتاب ''نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام'' (ص ۱۰) تحفۃ الاقویاء (۲۰۳)

شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (سنن الترمذی بتحقیق الالبانی ص ۸۱۵)

② اسحاق صاحب فرماتے ہیں:

''ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا آپ ﷺ کا طریقہ تھا کہ آنے والے لوگوں سے ایام کفر کے حالات پوچھتے تھے۔ اس شخص نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا میرا گناہ بھی معاف ہوسکتا ہے؟ آپ ﷺ نے پوچھا: کہ بتا کہ تجھ سے کیا گناہ ہوا ہے؟ تو اس شخص نے کہا: کہ میری بہت سی بیٹیاں پیدا ہوئیں میں انہیں زندہ درگور کرتا رہا۔ میں سفر میں گیا تو پیچھے ایک بیٹی پیدا ہوئی میں واپس آیا تو وہ ذرا بڑی ہوگئی تھی۔ میری بیوی کو وہ بہت پیاری تھی میں اس کو مارنا چاہتا تھا مگر میری

بیوی اس میں رکاوٹ بن گئی۔ وہ بڑی ہوتی گئی میری عداوت بھی بڑھتی گئی۔

ایک دن میں نے اپنی بیوی سے کہا: کہ اس کو تیار کر دو! میں اسے اس کے ننھیال سے ملوا لاؤں! میری بیوی کو مجھ سے خطرہ تھا اس لئے چلتے وقت اس نے مجھ سے کہا کہ میں تجھے اللہ کا خوف دلاتی ہوں کہ اس کو نقصان نہ پہنچانا۔ میں نے اس کے ساتھ عہد کر لیا اور بچی کو لے کر جنگل میں چلا گیا۔ وہاں ایک اندھا کنواں تھا میں اسے اس کے کنارے لے گیا جب اس کو پھینکنے لگا تو اس نے بہت منت سماجت کی وہ کہتی رہی: ہائے ابا! ہائے ابا! وہ آوازیں آج تک میرے کانوں میں گونج رہی ہیں مگر میں اس قدر سنگدل ہو گیا تھا کہ اس پر رحم نہیں آیا اور اسے کنویں میں پھینک دیا۔

رسول اللہ ﷺ اس واقعہ کو سن کر بہت روئے! صحابہ کرام بھی روئے! اس آدمی نے یہ واقعہ سنانے کے بعد پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ کیا میرا رب مجھے بھی معاف کر دے گا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! تیرا رب بہت غفور رحیم ہے۔ وہ سچی توبہ پر سب گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔'' (خطبات اسحاق ج۱ص ۲۰۹، ۲۱۰)

تبصرہ: یہ روایت سنن الدارمی (ح ۲) میں وضین بن عطاء (تبع تابعی) سے مذکور ہے۔ وضین نے اس کی کوئی سند بیان نہیں کی لہٰذا یہ روایت سخت منقطع (معضل) ہونے کی وجہ سے ضعیف و مردود ہے۔

خطباتِ اسحاق کے حاشیے میں اس روایت کے تحت تفہیم القرآن (۲۶۵/۶) کا حوالہ عجیب و غریب ہے کیونکہ عام لوگوں کو بھی معلوم ہے کہ تفہیم القرآن حدیث کی کتاب نہیں ہے۔ تفہیم القرآن میں ایک اور قصہ فرزدق شاعر کے دادا صعصعہ بن ناجیہ سے بحوالہ طبرانی مذکور ہے۔ (ج٦ص ٢٦٦)

یہ قصہ طبرانی کی المعجم الکبیر (۹۱/۸، ۹۲ ح ۷۴۱۲) بخاری کی التاریخ الکبیر (۳۱۹/۴ مختصراً) حاکم کی المستدرک (۶۱۰/۳، ۶۱۱ ح ۶۵۶۲) عقیلی کی الضعفاء ۲۲۸/۲۱، ۲۲۹) وغیرہ میں ''العلاء بن الفضل بن عبدالملك عن عباد بن كسيب عن طفيل بن

عمرو عن صعصعة بن ناجية '' کی سند سے مروی ہے۔

اس سند کا پہلا راوی العلاء بن الفضل ضعیف ہے۔ (تقریب التہذیب:۵۲۵۲)

دوسرا راوی عباد بن کسیب مجہول الحال ہے۔ابن حبان کے علاوہ کسی نے اس کی توثیق نہیں کی اور بخاری نے کہا: ''**لا یصح**'' اس کی حدیث صحیح نہیں ہے۔ (التاریخ الکبیر ۶/۴۰)

اس کا تیسرا راوی طفیل بن عمرو بھی مجہول الحال یا ضعیف ہے۔ابن حبان کے سوا کسی نے اس کی توثیق نہیں کی اور بخاری نے فرمایا: ''**لم یصح حدیثه**'' اس کی حدیث صحیح نہیں ہے۔ (التاریخ الکبیر ۴/۳۶۴)

عقیلی نے اسے کتاب الضعفاء میں ذکر کیا ہے۔ (۲/۲۲۸)

معلوم ہوا کہ یہ سند سخت ضعیف و مردود ہے۔

۳ اسحاق صاحب فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ ایک آدمی بکری کو ذبح کرنے کے لئے ٹانگ سے پکڑ کر گھسیٹ رہا تھا تو فرمایا کہ اس کو مرنے سے پہلے کیوں موت دے رہے ہو؟ فرمایا: کہ جانور کو ایک دوسرے کے سامنے ذبح نہ کرو اور اس سے پہلے پانی پلاؤ۔''

(خطباتِ اسحاق ج ا ص ۳۹۰)

تبصرہ: یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے تو نہیں ملی مگر محمد بن سیرین کی سند سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً مروی ہے۔

دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی (۹/۲۸۱) وحاشیہ خطباتِ اسحاق (ص ۳۹۰ ج ا)

امام محمد بن سیرین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں پیدا ہوئے تھے۔دیکھئے کتاب الثقات لابن حبان (۵/۳۴۹)

لہٰذا یہ موقوف روایت بھی منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔مرفوع کا تو مجھے کوئی نام و نشان نہیں ملا۔**واللہ أعلم**

۴ اسحاق صاحب کہتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جو شخص نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے وہ زمین پر اللہ تعالیٰ کا نائب ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا نائب ہوتا ہے اور کتاب اللہ کا نائب ہوتا ہے۔'' (خطباتِ اسحاق ج ۱ ص ۳۰۵)

تبصرہ: یہ روایت مجمع الزوائد میں تو نہیں ملی لیکن کامل ابن عدی (۲۱۰۴/۶ دوسرا نسخہ ۲۳۰/۷) اور میزان الاعتدال (۴۰۰/۳ ت ۶۹۲۷) میں ضرور موجود ہے۔

اس سند میں مسلم بن جابر الصدفی کے حالات مجھے نہیں ملے۔ عبداللہ بن لہیعہ تدلیس اور اختلاط کی وجہ سے ضعیف ہے۔ کادح بن رحمۃ الزاہد جمہور محدثین کے نزدیک مجروح ہے۔ دیکھئے المجروحین لابن حبان (۲۲۹/۲) ومیزان الاعتدال (۳۹۹/۳) ولسان المیزان (۴۸۰/۴، ۴۸۱)

حسن بن حسین الانصاری، احمد بن یحییٰ الاودی اور محمد بن عبدالواحد الناقد کے حالات مطلوب ہیں۔ خلاصہ یہ کہ یہ سند سخت ضعیف و مردود ہے۔

الفردوس للدیلمی (۶۲۴۳) کے حاشیے میں ایسی روایت باطل سند کے ساتھ ''**بقية عن عبدالله بن نعيم عن سالم بن أبي الجعد عن ثوبان**'' کی سند سے مروی ہے۔ (ج ۴ ص ۲۳۶ مع الہامش)

اس کی سند سے قطع نظر بقیہ صدوق، مدلس اور عبداللہ بن نعیم عابد لین الحدیث (التقریب: ۳۶۶۷) یعنی ضعیف ہے۔ سالم بن ابی الجعد نے ثوبان سے کچھ نہیں سنا۔ دیکھئے المراسیل لابن ابی حاتم (ص ۸۰)

یہ سند بھی ظلمات، سخت ضعیف اور مردود ہے۔

⑤ اسحاق صاحب فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تمہیں رمضان المبارک کے انعامات کا علم ہو جائے تو تم یہ تمنا کرو کہ اللہ تعالیٰ سارے سال کو رمضان میں بدل دے۔''

(خطباتِ اسحاق ج ۱ ص ۱۱۶)

تبصرہ: یہ روایت جریر بن ایوب البجلی الخ کی سند سے درج ذیل کتابوں میں موجود ہے:
شعب الایمان للبیہقی (۳۶۳۴) صحیح ابن خزیمہ (۱۸۸۶، اسے ابن خزیمہ نے صحیح نہیں کہا بلکہ جرح کی) مسند ابی یعلیٰ (۹/۱۸۰ ح ۵۲۷۳) الموضوعات لابن الجوزی (۲/۱۸۹ ح۱۱۱۹) الامالی للشجری (۱/۲۹۱، ۲/۲۴من طریق ابی الشیخ)
سیوطی نے درمنثور میں اسے نوادرالاصول للحکیم الترمذی، الثواب لابی الشیخ، ابن مردویہ اور الترغیب للاصبہانی کی طرف (سیدنا) ابومسعود الانصاری رضی اللہ عنہ کی سند سے منسوب کیا ہے۔(۱/۱۸۶)
اس کا راوی جریر بن ایوب سخت مجروح راوی ہے۔ دیکھئے لسان المیزان (۲/۱۰۱)
امام بخاری نے کہا: '' **منكر الحديث** '' (کتاب الضعفاء:۵۰)
امام نسائی نے کہا: '' **متروك الحديث** '' (الضعفاء:۱۰۲)
اس شدید ضعیف راوی کی اس روایت کو ابن الجوزی اور البانی نے موضوع کہا ہے۔
دیکھئے الموضوعات (۲/۱۸۹) وضعیف الترغیب والترہیب (۱/۳۰۳)
سیوطی نے اللآلی المصنوعہ (۲/۱۰۰) میں اس روایت کا ایک شاہد پیش کیا ہے جس کا راوی ہیاج بن بسطام ضعیف اور باقی بہت سے راوی نامعلوم ہیں۔
ایسی ضعیف و مردود روایت کو اسحاق صاحب بطورِ جزم سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کررہے ہیں۔

⑥ اسحاق صاحب کہتے ہیں:

''ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کعب احبار رضی اللہ عنہ سے پوچھا علماء کس وجہ سے لوگوں کی غلط رہنمائی کرتے ہیں تو انھوں نے جواب دیا: طمع کی وجہ سے۔''

(خطباتِ اسحاق ۲/۸۰)

تبصرہ: یہ روایت مشکوٰۃ میں بحوالہ دارمی (۱/۱۴۴ ح ۵۹۰) مذکور ہے۔
(المشکوٰۃ:۲۶۶ وتنقیح الرواۃ ۱/۵۶)
اس روایت کے راوی امام سفیان ثوری کی پیدائش سے بہت عرصہ پہلے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ

شہید ہو گئے تھے لہٰذا یہ روایت سخت منقطع ومعضل ہونے کی وجہ سے ضعیف ومردود ہے۔
سنن الدارمی (۵۸۱) میں ایک دوسری روایت میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ یہ روایت بھی سخت منقطع ومعضل ہونے کی وجہ سے ضعیف ومردود ہے اس کے راوی عبیداللہ بن عمر کی ولادت سے پہلے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تھے۔

⑦ اسحاق صاحب کہتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: آسمان پر مجھے جتنے فرشتے بھی ملے وہ مسکرا کر ملے مگر جب جہنم کے داروغہ سے ملے تو اس کے چہرے پر مسکراہٹ نہیں تھی۔ آپ نے جبریل سے اس کا سبب دریافت کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ جب سے یہ پیدا کیا گیا اس کے چہرے پر کبھی مسکراہٹ نہیں آئی اللہ تعالیٰ نے اسے سخت طبع بنایا ہے کہ اس کے دل میں کسی کے لئے رحم نہیں آتا۔'' (خطباتِ اسحاق ۲/۱۱۲)

تبصرہ: یہ روایت سیوطی کی کتاب الخصائص الکبریٰ (۱/۱۵۵) میں بحوالہ ابن ابی حاتم مذکور ہے۔ ابن ابی حاتم کی سند تفسیر ابن کثیر (۴/۸۸ ح ۴۱۴۷ سورۂ بنی اسرائیل آیت: ۱) میں موجود ہے۔

اس کا راوی خالد بن یزید بن ابی مالک جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف راوی ہے۔
حافظ ابن حجر نے کہا: ''ضعیف مع کونه فقیهًا وقد اتهمه ابن معین'' وہ فقیہ ہونے کے ساتھ ضعیف تھا اور ابن معین نے اسے متہم قرار دیا ہے۔ (تقریب التہذیب: ۱۶۸۸)
یحییٰ بن معین نے کہا: لیس بشیٔ (التاریخ، روایۃ عباس الدوری: ۵۱۰۱)
اس روایت کے بارے میں حافظ ابن کثیر نے کہا: ''هذا سیاق فیه غرائب عجیبة'' اس سیاق میں عجیب غرائب ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ۴/۹۰)
خلاصہ یہ کہ یہ روایت ضعیف ومردود ہے۔

⑧ اسحاق صاحب کہتے ہیں:

''ایک اور آدمی جو رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا مسلمان ہوا آپ سے کئی مسائل پوچھے اس کا نام عیینہ بن حصن تھا بعد میں یہ مرتد ہو گیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں یہ گرفتار ہوا تو انھوں نے اسے مدینہ کے بچوں کے حوالے کر دیا بچے اسے آگے آگے دوڑاتے اس پر پتھر پھینکتے آوازیں کستے کہ تو مسلمان ہونے کے بعد مرتد کیوں ہوا تو وہ جواب دیتا کہ میں نے کلمہ پڑھا ہی کب تھا۔''

(خطباتِ اسحاق ج ۲ ص ۱۴۵)

تبصرہ: خطباتِ اسحاق کے حاشیے میں اس کا حوالہ حافظ ابن حجر کی کتاب الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ (۵۵/۳) سے پیش کیا گیا ہے۔ الاصابہ میں اس قسم کا کوئی قصہ مذکور نہیں ہے۔

تنبیہ: الاصابہ وغیرہ میں عیینہ بن حصن کے مرتد اور الاحمق المطاع ہونے کی جتنی روایات مذکور ہیں ان میں سے ایک بھی ثابت نہیں ہے۔ منقطع، مدلس اور ضعیف روایات کو پیش کرنا مردود ہوتا ہے۔

صحیح مسلم میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عیینہ بن حصن رضی اللہ عنہ کو (تالیفِ قلب کے لئے) سو اونٹ عطا فرمائے تھے۔ (ح ۱۰۶۰ و ترقیم دارالسلام: ۲۴۴۳)

خلاصہ یہ کہ اسحاق جہال والا صاحب کا مذکورہ قصہ بے اصل اور باطل ہے۔

⑨ اسحاق صاحب فرماتے ہیں:

''خلیفہ نے اسی ہزار (80000) درہم ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیجے۔ آپ نے شام ہونے سے پہلے پہلے سب غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیئے۔ شام کے وقت نفلی روزہ افطار کرنے کے لئے خادمہ سے کچھ مانگا تو اس نے جواب دیا کہ اماں اگر دو درہم ہی بچا لیتیں تو افطاری کا بندوبست ہو جاتا۔ تو ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: کوئی بات نہیں! روزہ تو پانی کے ساتھ بھی افطار ہو جائے گا وہ رقم مجھ سے زیادہ مستحق لوگوں تک پہنچ گئی ہے۔'' (خطباتِ اسحاق ج ۲ ص ۱۴۰، ۱۴۱ بحوالہ تربیۃ الاولاد غرس الأصول النفسیۃ ج ۱ ص ۳۶۳ بحوالہ المستدرک للحاکم ۱۳/۴ ح ۶۷۴۵)

تبصرہ: اس روایت کا راوی محمد بن یونس بن موسیٰ الکدیمی جمہور محدثین کے نزدیک مجروح راوی ہے۔ حافظ ابن حبان نے کہا: وہ ثقہ راویوں پر حدیثیں گھڑتا تھا۔ (المجروحین ۳۱۳/۲)
امام قاسم بن زکریا المطرز نے کہا: میں قیامت کے دن اللہ کے سامنے گواہی دوں گا، یہ (کدیمی) تیرے رسول اور علماء پر جھوٹ بولتا تھا۔ (سوالات السہمی للدارقطنی: ۴۷)
اسحاق جہال والا کو اس کذاب راوی کی روایت پیش کرنے سے اجتناب کرنا چاہئے تھا۔ اس سند کا دوسرا راوی ہشام بن حسان مدلس ہے۔ (طبقات المدلسین: ۳/۱۱۰)
اور روایت بشرطِ صحت معنعن ہے۔
تنبیہ: روایتِ مذکورہ میں خلیفہ کے بجائے (سیدنا) معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہ) کا نام لکھا ہوا ہے جسے اسحاق صاحب نے چھپا لیا ہے۔ اس روایت کا متن بھی مختلف ہے۔
اس میں: ''کوئی بات نہیں... پہنچ گئی ہے۔'' والا متن بھی نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ متن اسحاق صاحب نے جوشِ خطابت میں خود بنا ڈالا ہے۔ **واللہ أعلم**

⑩ اسحاق صاحب فرماتے ہیں:

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی اونچی آواز میں روتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا جتنی اونچی آواز میں وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش دیکھ کر روئے، دوسری طرف آپ اللہ کی رضا پر راضی تھے آپ کا دل مطمئن تھا کہ اللہ جو کرتا ہے وہ درست ہے۔''

(خطباتِ اسحاق ج ۱ ص ۳۳۷ بحوالہ الرحیق المختوم، مجمع الزوائد ۶/۱۲۱ باب مقتل حمزہ، الطبرانی)

تبصرہ: الرحیق المختوم، اردو (ص ۳۸۲) میں یہ روایت بحوالہ مختصر السیرۃ للشیخ عبداللہ (ص ۲۵۵) مذکور ہے۔ مختصر السیرۃ (ص ۲۵۵) میں یہ روایت بحوالہ ابن شاذان بغیر سند کے مذکور ہے۔
ابن شاذان کون ہے اور ابن شاذان سے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تک سند کہاں ہے؟ اس کا کوئی اتا پتا نہیں ہے۔
ذخائر العقبیٰ (۱/۱۸۱) میں لکھا ہوا ہے کہ ''خرجہ ابن شاذان وقال: غریب'' اسے

ابن شاذان نے روایت کیا ہے اور غریب قرار دیا ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ غریب اور بے سند روایت ہے جسے اسحاق صاحب لوگوں کے سامنے بطورِ حجت پیش کر رہے ہیں۔

گزارش: میاں محمد یٰسین صاحب نے لکھا تھا کہ اسحاق صاحب '' ایسے لوگوں کی بہت گرفت کرتے ہیں جو موضوع اور کمزور روایتوں سے استدلال کرتے ہیں ایسے لوگوں نے دین کو بہت نقصان پہنچایا ہے'' تو عرض ہے کہ اسحاق صاحب سے فرمائیے کہ اپنی گرفت بھی کریں اور دین کو نقصان نہ پہنچائیں! **فافهم و تدبر**

۲۔ بے سند و بے اصل آثار و اقوال

اس سلسلے کے تین بے سند و بے اصل آثار و اقوال پیشِ خدمت ہیں جنھیں اسحاق صاحب نے بطورِ جزم بیان فرمایا ہے:

① اسحاق صاحب فرماتے ہیں:

'' امام جعفر صادق فرماتے ہیں: سب سے افضل عبادت اللہ تعالیٰ کے بارے میں غور و فکر کرنا ہے۔'' (خطباتِ اسحاق ج ا ص ۲۳)

امام جعفر صادق رحمہ اللہ نے یہ قول کہاں فرمایا ہے؟ اس کا کوئی حوالہ اسحاق صاحب نے نہیں بتایا اور ظاہر ہے کہ بے سند و بے حوالہ بات مردود ہوتی ہے۔

② اسحاق صاحب کہتے ہیں:

'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام گئے راستے میں وہ اپنے ساتھیوں سے الگ ہو کر ایک طرف نکل گئے وہاں دیکھا کہ ایک جھونپڑے میں بوڑھی عورت بیٹھی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں سلام کیا اور پوچھا اماں! عمر کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟ عورت نے کہا: قیامت کے دن عمر کا دامن ہوگا اور میرا ہاتھ ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی بات سن کر کانپ گئے پوچھا؟ اماں کیا بات ہوئی! اس عورت نے کہا وہ جب سے خلیفہ بنا ہے اس نے میری خبر نہیں لی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا؟ اماں! کیا

تم نے کبھی عمر کو اپنے حالات سے آگاہ کیا۔ اسے مدینے میں بیٹھے کیا معلوم تیری کیا حالت ہے۔ اس عورت نے کہا: اسے حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں۔ اگر اسے اپنی رعایا کے حالات کا علم نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بعد میں فرماتے: کہ خلافت کی حقیقت سے مجھے شام کی اس بوڑھی عورت نے آگاہ کیا۔'' (خطباتِ اسحاق ج ا ص ۱۰۶)

تبصرہ: یہ بے اصل و بے سند قصہ ہے جس کا اسحاق صاحب نے کوئی حوالہ نہیں دیا۔

③ اسحاق صاحب فرماتے ہیں:

''امام حسن بصری (رحمہ اللہ) کہتے ہیں: کہ ایک نوجوان نے مجھے لاجواب کر دیا وہ ہر وقت خاموش رہتا۔ میں نے اس سے خاموشی کا سبب دریافت کیا تو اس نے جواب دیا: دو بوجھ ہیں جو مجھے بولنے نہیں دیتے۔

(۱) ایک تو جب اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو دیکھتا ہوں کہ ایک لمحے کیلئے بھی اس کا سلسلہ نہیں رکتا

(۲) دوسری طرف اپنے گناہوں اور نافرمانیوں کی طرف دیکھتا ہوں تو یہ بوجھ کسی بھی لمحے سوچ و فکر سے آزاد نہیں چھوڑتا۔'' (خطباتِ اسحاق ج ا ص ۱۶۸)

تبصرہ: اس قول کی کوئی سند اسحاق صاحب نے بیان نہیں کی۔

۳۔ جہالتیں

اسحاق صاحب فرماتے ہیں:

''شیخ سعدی (رحمہ اللہ) فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ کعبہ کے دروازے پر ایک آدمی رو رو کر اللہ تعالیٰ سے فریاد کر رہا ہے۔ میں نے سنا وہ کہہ رہا تھا: میں یہ نہیں کہتا کہ میری نیکیاں قبول فرما! میرے پاس کون سی نیکیاں ہیں میں تو صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ تو اپنے فضل اور مہربانی سے میرے گناہوں پر معافی کا قلم پھیر دے! شیخ سعدی (رحمہ اللہ) فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا وہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (رحمہ اللہ) تھے۔ اتنے بڑے ولی ہو کر وہ اللہ سے التجا کر رہے ہیں۔'' (خطباتِ اسحاق ج ا ص ۴۱۹)

تبصرہ: شیخ سعدی شیرازی ۵۸۹ یا ۵۹۰ھ (۱۱۹۳ء) میں پیدا ہوئے۔

دیکھئے ارشاد الطالبین فی احوال المصنفین (ص ۸۲)
جبکہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ ۵۶۱ھ میں فوت ہوئے۔

معلوم ہوا کہ شیخ سعدی کی شیخ عبدالقادر سے ملاقات ہی نہیں ہوئی لہٰذا اسحاق صاحب نے یہ قصہ بیان کر کے جھوٹ کا لک توڑ دیا ہے۔ یہ قصہ اسحاق صاحب کی جہالت کا شاہکار ہے۔

☆سحری کے بارے میں اسحاق صاحب فرماتے ہیں:

''مؤذن کے اللہ اکبر کہنے کے بعد لقمہ بھی منہ میں ڈالنا ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص افطاری سے ایک منٹ پہلے روزہ کھول لے۔'' (خطباتِ اسحاق ج ۱ ص ۱۲۰)

تبصرہ: اسحاق صاحب کی یہ بات ان کی جہالت کی ایک اور دلیل ہے جو کہ اس صحیح حدیث کے بھی خلاف ہے جس میں اذان کے وقت سحری کھانے کا جواز ثابت ہے۔ دیکھئے سنن ابی داود (۲۳۵۰ وسندہ حسن وصححہ الحاکم ۱/۲۰۳ علیٰ شرط مسلم ووافقہ الذہبی)

یاد رہے کہ اگلے صفحہ (۱۲۱) پر اسحاق صاحب نے اس صحیح حدیث کی بعید ترین تاویل کر رکھی ہے جس کا باطل ہونا ظاہر ہے۔

٤۔ عجیب وغریب قصے

اسحاق صاحب نے اپنے خطبات میں عجیب وغریب قصے بھی بیان کر رکھے ہیں مثلاً:

① اسحاق صاحب کہتے ہیں:

''اولیاء کے تذکروں میں یہ واقعہ محفوظ ہے۔ کہ شیخ بوعلی قلندر جو مجذوب تھے ایک دفعہ شیخ ثناء اللہ پانی پتی (رحمہ اللہ) کے مدرسہ میں گئے۔ بوعلی قلندر کی مونچھیں بہت بڑھی ہوئیں تھیں۔ شیخ ثناء اللہ (رحمہ اللہ) نے ان سے کہا کہ قلندر صاحب! آپ کی مونچھیں بہت بڑی ہیں یہ شریعت کے خلاف ہیں انہیں کٹوا دیجئے! بوعلی قلندر نے علامہ پانی پتی (رحمہ اللہ) سے کہا: کہ ذرا آنکھیں بند کیجئے۔ انہوں نے آنکھیں بند کیں تو دیکھا کہ مونچھوں کا ایک سرا زمین کی گہرائی میں ہے اور دوسرا آسمان سے بھی اوپر ہے۔ بوعلی قلندر نے کہا: کہ اگر انہیں کاٹ سکتے ہو تو کاٹ

دیجئے۔علامہ پانی پتی (رحمہ اللہ) نے بوعلی قلندر سے کہا: کہ اب ذرا اپنی آنکھیں بند کیجئے! انہوں نے آنکھیں بند کیں تو دیکھا کہ ایک قینچی ہے جس کا ایک سرا ساتویں زمین سے بھی نیچے ہے اور دوسرا سرا آسمان سے بھی بلند ہے۔ بوعلی قلندر نے دیکھ کر فرمایا کہ واقعی شریعت سب چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے آپ میری مونچھیں کاٹ دیجئے۔'' (خطبات اسحاق ج۲ص۵۳) [۱ تحفۃ الہند]

تبصرہ: یہ سارا قصہ من گھڑت ہے اور دین کے ساتھ مذاق بھی ہے۔

② اسحاق صاحب فرماتے ہیں:

''اپنے دور کے بہت بڑے ولی حضرت ابوبکر شبلی (رحمہ اللہ) کو لوگوں نے دیوانہ قرار دے کر جیل میں بھیج دیا کچھ دوست ملاقات کے لئے آئے تو شبلی (رحمہ اللہ) نے ان کی طرف پتھر پھینکنے شروع کر دیئے وہ لوگ گھبرا کر دور چلے گئے تو فرمایا: آپ لوگ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: کہ آپ کے دوست! تو فرمایا: کہ کبھی دوست بھی دوست کی مار سے بھاگتا ہے؟ جو بھاگ گیا وہ دوست نہیں! اسی طرح جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش سے گھبرا جائے وہ مومن نہیں ہوسکتا۔'' (خطباتِ اسحاق ج۱ص۵۱)

تبصرہ: بے اصل اور من گھڑت قصہ ہے۔

③ اسحاق صاحب کہتے ہیں:

''جیسا کہ حضرت فضیل بن عیاض (رحمہ اللہ) کی توبہ کا واقعہ آپ نے سنا ان کے بارے میں لکھا ہے کہ جن لوگوں کو انہوں نے لوٹا تھا ان میں بڑے بڑے تاجر شامل تھے آپ ان کے پاس گئے جو کچھ موجود تھا انہیں واپس کر دیا۔ کچھ سے کہا کہ مہلت دے دو میں کما کر واپس کر دوں گا بہت سے لوگوں نے کہا کہ ہمیں تمہارے تائب ہونے کی اتنی خوشی ہے ہم تمہیں معاف کرتے ہیں۔'' (خطباتِ اسحاق ج۱ص۲۱۰)

تبصرہ: یہ بے اصل قصہ ہے۔ فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کا ڈاکو ہونا صحیح سند سے ثابت نہیں ہے۔ اس قسم کے بے اصل قصوں کے لئے دیکھئے تاریخ دمشق لابن عساکر (۵۱/۲۶۴، ۲۶۵) وغیرہ۔

۵۔ خوابوں کی دنیا

اسحاق صاحب اپنے خطبات میں بغیر کسی خوف کے بے اصل خواب بھی بیان کرتے ہیں مثلاً:

① اسحاق صاحب کہتے ہیں:

''علامہ رشید رضا مصری اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ مفتی محمد عبدہ (رحمہ اللہ) نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور انہوں نے آپ سے پوچھا: یا رسول اللہ! اگر احد کے دن اللہ تعالیٰ جنگ کے نتیجہ کے بارے میں آپ کو اختیار دیتا تو آپ فتح پسند فرماتے یا شکست پسند فرماتے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ شکست کو پسند کرتا حالانکہ ساری دنیا فتح کو پسند کرتی ہے۔ (تفسیر نمونہ بحوالہ تفسیر المنار ۹۲/۳)'' (خطبات اسحاق ج۲ ص۱۹۳، ۱۹۴)

تبصرہ: اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ محمد عبدہ (مصری، منکرِ حدیث بدعتی) نے خواب میں ضرور بالضرور رسول اللہ ﷺ کو ہی دیکھا تھا۔ کیا وہ آپ ﷺ کی صورت مبارک پہچانتا تھا؟ کیا اس نے خواب بیان کرنے میں جھوٹ نہیں بولا؟

② اسحاق صاحب فرماتے ہیں:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شاہ عبدالعزیز (رحمہ اللہ) کو خواب میں اللہ تعالیٰ سے نسبت حاصل کرنے کے یہی تین طریقے بتائے تھے۔ جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک کتاب میں ذکر فرمایا ہے کہ: قرآن پاک کی تلاوت کرو، نماز ادا کرو، اور اللہ کا ذکر کرو۔ اس کے بعد فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ﴾ جو بھی تم کرتے ہو اللہ اسے جانتا ہے۔'' (خطبات اسحاق ج۱ ص۱۳۴)

تبصرہ: عبدالعزیز دہلوی کو کس نے بتایا تھا کہ انھوں نے جسے خواب میں دیکھا ہے وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی ہیں؟

لطیفہ: عبدالعزیز دہلوی کا ایک من گھڑت خواب دیوبندیوں کی کتابوں سے پیش خدمت ہے:

عاشق الٰہی میرٹھی دیوبندی لکھتے ہیں:

''ایک بار شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جناب امیر المومنین علی کرم اللہ

وجہ کو خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ مذاہب اربعہ میں کون مذہب آپ کے مذہب کے مطابق ہے؟ فرمایا ''کوئی بھی نہیں'' پھر سلاسل اربعہ کو دریافت کیا اِس کی بابت بھی وہی جواب ارشاد ہوا کہ کوئی بھی نہیں جب اس خواب کی خبر مرزا جان جانان رحمۃ اللہ علیہ کو ہوئی تو آپ نے شاہ صاحب سے پوچھ بھیجا کہ یہ خواب اضغاث احلام تو نہیں ہے؟ اسکے کیا معنی کہ سلاسل اربعہ اور مذاہب اربعہ میں سے کوئی ایک بھی جناب امیر کے موافق نہو؟ شاہ صاحب نے جواب لکھا کہ یہ خواب رویائے صالحہ ہے اور عدم موافقت کا یہ مطلب ہے کہ من کل الوجوہ اور ہر ہر جزئیات میں کوئی سلسلہ اور کوئی مذہب آپ کے مذہب کے مطابق نہیں ہے اسلئے کہ ہر ایک مذہب مذاہب صحابہ کا مجموعہ ہے کوئی مسئلہ حضرت صدیق ؓ کے مطابق ہے تو کوئی مسئلہ حضرت علیؓ کے اور کوئی حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور یہی حال سلاسل مشائخ کا ہے۔'' (تذکرۃ الرشید ج۲ص ۲۶۷)

تبصرہ: اس جعلی خواب کے سلسلے میں عرض ہے کہ اگر یہ خواب صحیح ہے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بات کو لیا جائے گا اور شاہ عبدالعزیز دہلوی یا مرزا جان جانان کی تاویل کو دیوار پر دے مارا جائے گا اور اگر یہ خواب جعلی ہے تو اسے بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

یہ مختصر تحقیقی مضمون محمد اسحاق صاحب جہال والا کی اصلاح اور عام مسلمانوں کی خیر خواہی کے لئے لکھا گیا ہے۔

تنبیہ: محمد اسحاق صاحب جہال والا کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں خطرناک نظریات، اہلِ بدعت کی حمایت اور اہلِ حق پر تنقید کا جائزہ اور دیگر نظریات وعقائد اور اُن کا رد ایک خاص تحقیقی مضمون کا متقاضی ہے۔ اسحاق صاحب بغیر کسی ڈر کے صحیح و ثابت روایات کو موضوع، من گھڑت اور جھوٹ وغیرہ کہہ دیتے ہیں اور علمائے حق کا مذاق بھی اڑاتے ہیں۔ اہلِ حدیث ان کے غلط عقائد اور تمام اہلِ بدعت کو راضی کرنے والی پالیسی سے بری ہیں۔ وما علینا إلا البلاغ (۲۰ فروری ۲۰۰۷ء)

خادم حسین پردیسی

شک وشبہ والے امور سے اجتناب بہتر ہے

بے عیب نعمتوں سے اعراض کر کے شک وشبہ والی باتوں میں گرفتار کیوں ہوا جائے؟

شریعت ہر مسلمان کو اس کا حکم دیتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرے اور اپنے دامن کو گناہوں کی آلودگی سے محفوظ رکھے۔ لیکن کچھ امور ایسے ہیں جو اگرچہ حلال اور حرام کی قید سے آزاد ہیں لیکن شک وشبہ کی زد میں آتے ہیں، ان سے اجتناب کرنا ہی مسلمان کیلئے پسندیدہ ہے کیونکہ ان کے کرنے سے انسان بھلائی کے راستے سے بھٹک کر گناہوں کی وادی میں کھوسکتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں بعض لوگ اس قسم کے تردد کا شکار ہوتے ہیں کہ آیا وہ فلاں کام کریں یا نہ کریں؟ لیکن اگر وہ ان جیسے کاموں سے مکمل اجتناب کر کے اپنے آپ کو اس اشکال سے نجات دلا دیں تو یہ ان کے دین وایمان کی سلامتی کے لئے بہتر ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ ایک شخص رات کو بلاوجہ جاگنے کا عادی ہے اگرچہ وہ رات گناہوں میں بسر نہیں کرتا لیکن ممکن ہے کہ کچھ عرصہ بعد اس کا رات کو مسلسل جاگنا اسے گناہوں کی طرف کھینچ کر لے جائے۔ اس لئے اس کیلئے بہتر یہی ہے کہ وہ دن کو محنت اور جدوجہد کرے اور رات کے وقت اپنے بستر پر دراز ہو جائے کیوں کہ رات آرام ہی کیلئے تخلیق کی گئی ہے۔ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ رات کو بہت دیر سے سونے والے صبح کی نماز جماعت سے نہیں پڑھتے بلکہ بعض بدنصیب تو نماز پڑھے بغیر طلوعِ آفتاب کے بعد تک سوئے رہتے ہیں۔ اسی طرح کا ایک واقعہ ہے کہ ایک لڑکا بہت دیر سے اپنے گھر آیا اور سو گیا۔ صبح جب اس کے والد نماز کے لئے مسجد جا رہے تھے تو اسے اُٹھایا، وہ اُوں اُوں کر کے دوسری طرف کروٹ بدل کر سو گیا۔ جب اس کے والد مسجد سے نماز واذکار وغیرہ کے بعد واپس آئے تو سورج طلوع ہو چکا تھا اور وہ لڑکا آرام سے خراٹے بھر رہا تھا۔ والد نے غصے

سے کہا: اٹھو سورج نکل آیا ہے۔
لڑکا بولا: ابا جی! اگر آدھی رات کو سورج نکل آئے تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟
اس بدنصیب لڑکے کے نزدیک ابھی آدھی رات ہوئی تھی۔ والدین کو چاہئے کہ وہ اپنی اولاد کو نمازِ عشاء کے بعد جلدی سُلانے کی کوشش کریں۔

اسی طرح کچھ لوگوں کو مکمل صحت اور تندرستی کے باوجود فارغ رہنے کی عادت ہوتی ہے۔ انھیں چاہیے کہ وہ اپنی اس فراغت کو دین و دنیا کے کسی مفید کام میں صَرف کریں، کہیں ان کی یہ فراغت انھیں گناہوں کا راستہ نہ دکھادے۔ احادیث مبارکہ میں شک وشبہ والے امور سے اجتناب کرنے کی بہت تاکید آئی ہے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو راستے میں ایک کھجور دکھائی دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((**لولا أني أخاف أن تكون من الصدقة لأكلتها.**)) اگر مجھے اس بات کا خدشہ نہ ہوتا کہ یہ کھجور صدقہ کی ہے تو میں اسے کھالیتا۔
(بخاری: ۲۴۳۱، مسلم: ۱۰۷۱)

اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل اولاد کیلئے لوگوں کے صدقہ کا استعمال حرام ہے۔

جس کام میں انسان شک وشبہ محسوس کرے اور پھر اسے یہ خوف بھی لاحق ہو کہ کہیں میرے اس فعل سے لوگ مطلع نہ ہو جائیں تو ایسے کام سے دور رہنا ہر مسلمان کیلئے ضروری ہے کیونکہ جو بات دل میں تردد پیدا کرے اور پھر اس کے متعلق لوگوں کے باخبر ہو جانے کا خوف بھی ہو تو یہی بات گناہ کہلاتی ہے۔ امام مسلم نیشاپوری رحمہ اللہ سیدنا نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((**البر حسن الخلق والإثم ما حاك في صدرك وكرهت أن يطلع عليه الناس**)) نیکی (یہ ہے) کہ اچھے اخلاق سے پیش آیا جائے اور گناہ (یہ ہے) کہ تم تردد میں مبتلا ہو جاؤ اور اس بات سے خوف کھاؤ کہ کہیں لوگوں کو اس کی خبر نہ

ہوجائے۔ (صحیح مسلم:۲۵۵۳)

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو بے شمار ایسی نعمتوں سے نوازا ہے، جو شک وشبہ سے بالاتر ہیں تو پھر انسان ان بے عیب نعمتوں سے اعراض کر کے شک وشبہ والی باتوں میں کیوں گرفتار ہوتے ہیں؟!۔

امام ترمذی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا:

حفظت من رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم :((دع ما یریبك إلٰی ما لا یریبك))

میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں سے یہ حدیث حفظ کی ہے، شک وشبہ والی بات کو بغیر شک وشبہ والی بات کیلئے ترک کردو۔ (سنن الترمذی:۲۵۱۸ وقال: ''ھٰذا حدیث صحیح'' وسندہ صحیح وصححہ ابن خزیمہ:۲۳۴۸ وابن حبان:۵۱۲ والحاکم ۱۳/۲، ووافقہ الذہبی)

اگر کوئی شخص غلطی سے حرام چیز کھالے جس کے متعلق اسے پہلے نہ بتایا گیا ہو تو اس کیلئے بہتر یہی ہے کہ وہ اپنے بدن کی اس حرام چیز سے نشو ونما نہ ہونے دے بلکہ اسے نکال باہر کرے۔ امام بخاری سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک غلام انہیں روزانہ (اپنی غلامی کا) معاوضہ دیا کرتا تھا اور وہ اس کے معاوضے سے (کچھ) کھایا کرتے تھے۔ ایک دن وہ کوئی چیز لے کر آیا اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ صدیق نے وہ چیز لے کر کھالی۔ غلام کہنے لگا کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کیا کھایا ہے؟ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا (میں نے) کیا (کھایا ہے)؟ غلام نے کہا: میں نے جاہلیت میں ایک آدمی کو نجومی بن کر کوئی بات کہی تھی جبکہ میں اس میدان کا آدمی نہ تھا لیکن میں نے اسے دھوکا دیا اور اسے اپنی طرف سے وہ بات بتادی۔ وہ شخص مجھے (آج) ملا ہے تو اس نے مجھے اس بات کے بدلہ میں یہ چیز دی ہے۔ تو انھوں نے اپنا ہاتھ (اپنے منہ میں) ڈالا اور جو کچھ ان کے پیٹ میں تھا اسے قے کر کے باہر نکال دیا۔ (صحیح بخاری:۳۸۴۲)

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو حرام باتوں سے بچائے اور شک وشبہ والے امور سے بھی اجتناب کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین

حافظ شیر محمد

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے محبت
(۲)

اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی وجہ سے عظیم حافظہ عطا فرمایا تھا۔ ایک دفعہ مروان بن الحکم الاموی نے ان سے کچھ حدیثیں لکھوائیں اور اگلے سال کہا کہ وہ کتاب گم ہوگئی ہے، وہی حدیثیں دوبارہ لکھوا دیں۔

انھوں نے وہی حدیثیں دوبارہ لکھوا دیں۔ جب دونوں کتابوں کو ملایا گیا تو ایک حرف کا فرق نہیں تھا۔ (المستدرک للحاکم ۳/۵۱۰ وسندہ حسن، الحدیث:۳۲ ص ۱۳، ۱۴)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جب حدیثیں بیان کرنا شروع کرتے تو سب سے پہلے فرماتے:

ابوالقاسم الصادق المصدوق (سچے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من كذب عليّ متعمدًا فليتبوأ مقعده من النار.)) جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا تو وہ اپنا ٹھکانا (جہنم کی) آگ میں بنالے۔ (مسند احمد ۲/۴۱۳ ح ۹۳۵۰ وسندہ صحیح)

آپ اللہ کی قسم کھا کر فرماتے تھے کہ میں بھوک کی شدت کی وجہ سے زمین پر لیٹ جاتا تھا اور بھوک کی شدت کی وجہ سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیتا تھا۔ (صحیح بخاری:۶۴۵۲)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی سے فرمایا کرتے تھے: **"لاتلبسي الذهب فإني أخشى عليك اللهب"** سونا نہ پہنو کیونکہ مجھے تم پر (آگ کے) شعلوں کا ڈر ہے۔

(حلیۃ الاولیاء ۱/۳۸۰ وسندہ صحیح)

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: پوری دنیا میں حدیث کے سب سے بڑے حافظ ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) تھے۔ (تاریخ دمشق لابن عساکر ۷۱/۳۵۳ وسندہ صحیح)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: " ......**اللّٰهم لا تدركني سنة ستين** " اے میرے اللہ! مجھے ساٹھ ہجری تک زندہ نہ رکھ۔ (تاریخ دمشق لابی زرعۃ الدمشقی:۲۳۴ وسندہ صحیح)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: ''**اللهم لاتدركني إمارة الصبيان**''
اے میرے اللہ! مجھے بچوں کی حکومت تک زندہ نہ رکھ۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۴۶۶/۶ وسندہ صحیح)
سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ کھجوریں لے کر حاضر ہوئے اور کہا: یارسول اللہ! میرے لئے ان میں برکت کی دعا فرمائیں۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کھجوروں کو اکٹھا کر کے برکت کی دعا فرمائی اور ان سے کہا:
ان کھجوروں کو لے کر اپنے اس توشہ دان (تھیلی) میں ڈال لو، اس میں سے جب بھی کھجوریں لینا چاہو تو ہاتھ ڈال کر نکال لینا اور انھیں (ساری باہر نکال کر) نہ بکھیرنا۔
سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کھجوروں میں سے اتنے اتنے وسق اللہ کے راستے میں خرچ کئے۔ ہم ان میں سے کھاتے بھی تھے اور کھلاتے بھی تھے۔
یہ توشہ دان ہر وقت میری کمر سے بندھا رہتا تھا حتیٰ کہ (سیدنا) عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو یہ پھٹ (کر گم ہو) گیا۔

(سنن الترمذی: ۳۸۳۹ وقال: ''حسن غریب'' وسندہ حسن، وصححہ ابن حبان، الاحسان: ۶۴۹۸)

ساٹھ صاع یعنی ۱۵۰ کلو کو ایک وسق کہتے ہیں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے فضائل بہت زیادہ ہیں۔ سات سو سے زیادہ تابعین نے آپ سے علمِ حدیث حاصل کیا اور جلیل القدر صحابۂ کرام بشمول سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آپ پر اعتماد کیا۔
آپ اپنی دعا کے مطابق ساٹھ ہجری سے پہلے ۵۷، ۵۸ یا ۵۹ ھ میں فوت ہوئے۔ رضی اللہ عنہ
آپ کے بارے میں امام ابوبکر محمد بن اسحاق الامام رحمہ اللہ نے بہترین کلام فرمایا جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر چار طرح کے آدمی کلام (جرح) کرتے ہیں:
۱: معطل جہمی (جو صفاتِ باری تعالیٰ کا منکر ہے)
۲: خارجی (تکفیری جو مسلمان حکمرانوں کے خلاف خروج کا قائل ہے)
۳: قدری (معتزلی جو تقدیر اور احادیثِ صحیحہ کا منکر ہے)

۴: جاہل (جو فقیہ بنا بیٹھا ہے اور بغیر دلیل کے تقلید کی وجہ سے صحیح احادیث کا مخالف ہے)
دیکھئے المستدرک للحاکم (۵۱۳/۳ ح ۶۱۷۶ وسندہ صحیح)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ " **يبصر أحدكم القذاة في عين أخيه وينسى الجذع أو الجذل في عينه** " تم میں سے ہر شخص دوسرے کی آنکھ کا تنکا دیکھ لیتا ہے لیکن اپنی آنکھ کا شہتیر بھی نظر انداز کر دیتا ہے۔ (کتاب الزہد للامام احمد ص ۱۷۸ ح ۹۹۲ وسندہ صحیح)

یہ روایت مرفوعاً بھی مروی ہے۔

(زوائد زہد ابن المبارک لابن صاعد: ۲۱۲ وسندہ حسن، صحیح ابن حبان، الموارد: ۱۸۴۸)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی فقہ میں سے دو اہم مسئلے

۱: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فاتحہ خلف الامام کے بارے میں اپنے ایک شاگرد سے فرمایا:
"**اقرأ بها في نفسك**" اسے اپنے دل میں (سراً) پڑھو۔ (صحیح مسلم: ۳۹۵)
سائل نے پوچھا: جب امام جہری قراءت کر رہا ہو تو کیا کروں؟
انھوں نے فرمایا: اسے اپنے دل میں (سراً) پڑھو۔ (جزء القراءۃ للبخاری: ۷۳ وسندہ حسن)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب امام سورۂ فاتحہ پڑھے تو تُو بھی اسے پڑھ اور اسے امام سے پہلے ختم کر لے۔ (جزء القراءۃ: ۲۸۳ وسندہ صحیح، نصر الباری فی تحقیق جزء القراءۃ للبخاری ص ۲۷)

معلوم ہوا کہ دل میں پڑھنے سے مراد ہونٹ بند کر کے خیالی طور پر پڑھنا نہیں ہے بلکہ ہونٹ ہلاتے ہوئے آہستہ آواز میں پڑھنا ہے۔

۲: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ شروع نماز، رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد (تینوں مقامات پر) رفع یدین کرتے تھے۔

(دیکھئے جزء رفع الیدین للبخاری: ۲۲ وسندہ صحیح، نور العینین فی اثبات مسئلۃ رفع الیدین ص ۱۶۰)

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے دل سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ و تابعین اور اہلِ ایمان کی محبت سے بھر دے۔ آمین

ہدیۃ المسلمین

بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھنا

حافظ زبیر علی زئی

حدیث:١٣ " عن عبدالرحمٰن بن أبزیٰ قال : صلیت خلف عمر فجهر ببسم الله الرحمٰن الرحيم "

عبدالرحمٰن بن ابزیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی، آپ نے **بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم** اونچی آواز سے پڑھی۔

[مصنف ابن ابی شیبہ ١/٤١٢ ح ٤٧٥٧، شرح معانی الآثار للطحاوی واللفظ لہ ١/١٣٧، السنن الکبریٰ للبیہقی ٢/٤٨]

اس کے تمام راوی ثقہ وصدوق ہیں اور سند متصل ہے، لہٰذا یہ سند صحیح ہے۔

فوائد:

① اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ جہری نمازوں میں امام کا جہراً بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا بالکل صحیح ہے۔

② عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم سے بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بالجہر ثابت ہے۔ [جزء الخطیب وصححہ الذہبی فی مختصر الجہر بالبسملۃ للخطیب ص ١٨٠ ح ٤١]

اور اسے ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

③ بسم اللہ سراً (آہستہ) پڑھنا بھی جائز ہے جیسا کہ صحیح مسلم وغیرہ کی احادیث سے ثابت ہے۔ [١/١٧٢ ح ٣٩٩]

④ عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کے راویوں کی مختصر توثیق درج ذیل ہے:

١: عبدالرحمٰن بن ابزیٰ رضی اللہ عنہ، صحابی صغیر ہیں۔ [تقریب التہذیب:٣٧٩٤]

٢: سعید بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ ثقہ ہیں۔ [تقریب التہذیب:٢٣٤٦]

٣: ذر بن عبداللہ ثقہ عابد رمی بالارجاء تھے۔ [تقریب التہذیب:١٨٤٠]

٤: عمر بن ذر ثقہ رمی بالارجاء تھے۔ [تقریب التہذیب:٤٨٩٣]

٥: عمر بن ذر سے یہ روایت خالد بن مخلد، ابو احمد اور ابن قتیبہ نے بیان کی ہے، ان راویوں کی توثیق کے لئے تہذیب وغیرہ کا مطالعہ کریں۔

مولانا عبدالرحمٰن مئوی بنارسی رحمہ اللہ

آپ کا آبائی وطن ضلع اعظم گڑھ ہے اور آپ قصبہ مئو کے محلّہ اورنگ آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ کے سن پیدائش کا سراغ نہیں لگ سکا۔ ابتدائی تعلیم محلّہ کے مدرسہ اور گھر پر ہوئی۔ اس کے بعد مولوی عبداللہ مئوی اور مولانا ولی محمد گھوسی کی رفاقت میں مولانا تراب علی لکھنوی سے علوم کی تحصیل کی، بعدازاں دہلی گئے اور سید نذیر حسین محدث دہلوی کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا اور حدیث کی کتابیں پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔ تحصیل علوم کے بعد شہر بنارس میں مسجد گیان بانی میں تدریسی خدمات انجام دینے لگے اور ایک طویل عرصہ تک درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ مسجد بی بی رضیہ چوک میں بھی منصب امامت وخطابت پر فائز رہے۔ آپ نے تعلیمی وتدریسی خدمات کے ساتھ کپڑے کی تجارت بھی شروع کردی تھی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی تجارت میں بڑی برکت عطا فرمائی۔

مولانا صاحب ثروت ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے متواضع اور فیاض انسان تھے۔ پاس پڑوس کے لوگوں اور غریبوں یتیموں کے ساتھ شفقت اور محبت کا برتاؤ کرتے تھے۔ برکات رمضان اور مسئلہ طلاق ثلاثہ پر رسالے لکھے۔ مئو کی کسی مسجد میں آپ نے ایک جہری نماز میں آمین بالجہر کہی تو مسجد والوں نے آپ کو مسجد سے نکال دیا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! مجھے ایک مسجد بنوانے کی توفیق عطا فرما۔ بارگاہِ الٰہی میں دعا قبول ہوئی اور مولانا نے اورنگ آباد مئو کی مسجد بنوائی۔ آپ کی ایک اور ملی یادگار رفاطمان کی مشرقی عیدگاہ ہے جو باغ سگرا میں واقع ہے۔ آپ کا انتقال ۱۴ محرم ۱۳۱۵ھ (بمطابق ۱۸۹۷ء) بدھ کے روز بنارس میں ہوا اور تدفین شاہی باغ میں ہوئی۔ آپ کی لختِ ارجمند زبیدہ خاتون نے مدرسہ عالیہ عربیہ کے شعبہ نسواں میں ۳۵ سال دینی خدمات انجام دیں۔ انھی محترمہ کے فیض سے مدرسہ کا شعبہ نسواں قائم ہوا تھا۔ مولانا کے نواسوں میں مولانا عبدالمعید بنارسی (ف ۱۹۸۰ء) اور مولانا عبدالحمید مکی بنارسی (ف ۱۹۸۶ء) عالم فاضل گزرے ہیں۔ (محدث بنارس۔ مئی ۱۹۹۸ء)

آپ نے ۱۸۹۱ء والے فتویٰ تکفیرِ مرزا پر دستخط کئے ہیں اور اس طرح آپ کا شمار تحریکِ ختم نبوت کے اولین کارکنوں میں ہوتا ہے۔ (تحریک ختم نبوت۔ مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ لاہور، جلد دوم ص ۲۷۰)